


# فضائل نماز

ارشاداتِ عالیہ


فخر العلماء والمحدثین واقفِ رموز شریعت و دین سیدنا و مولانا و مرشدنا
حضرت ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری قدس اللہ سرہ العزیز

# فہرست مضامین

# نذرِ عقیدت

تجویز نام خود ہی فرما گئے ہیں حضرت
تفسیر ہے یہ گویا گلدستۂ طریقت
واضح ہوئے ہیں اس میں ابہام معرفت کے
آسان ہوگئی ہے مشکل جو تھی حقیقت
مانا حکایتیں بھی پھیلی ہوئی ہیں اس میں
لیکن ہر اک حکایت، دیتی ہے درسِ عبرت
زخموں کے واسطے ہے، مرہم کا اس میں ساماں
غمگین پا رہے ہیں تسکین اور راحت
بگڑے ہوئے دلوں کی اصلاح ہوگئی ہے
بھٹکے ہوؤں نے اس میں پائی رہِ ہدایت
گہری نظر ہے جن کی، ان کیلئے بھی اس میں
بکھرے ہوئے ہیں ہر جا گلہائے رازِ حکمت
تالیف کو عطا ہو، شرفِ قبول یا رب
پائے مولفِ اس کا، اعلیٰ مقامِ جنت
سچ بات ہے یہ مرزاؔ اس کے مطالعہ سے
ملتی ہے دل کو راحت اور روح کو حلاوت

**خادم الخدام**

مرزا شکور بیگ۔ نقشبندی وقادری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

# تَمۡھِیۡد

صاحبو! اگر کسی کے آپ پر احسانات ہوں اور آپ چاہتے ہوں کہ اس کا کچھ شکریہ ادا کریں، لیکن احسانات ادا کرنے کا طریقہ معلوم نہ ہونے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں یہ احسان کرنے والے کی ناراضگی کا سبب نہ ہوجائے، اس لئے فکر ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر وہ احسان کرنے والا خود شکریہ ادا کرنے کا طریقہ بتلائے تو یہ بھی اس کا ایک احسان ہے، اسی طرح قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ اپنے احسانات جتلائے ہیں، اور اس ذیل کی آیت میں اپنے احسانات کا شکریہ ادا کرنے کا طریقہ بھی بتلائے ہیں، اس طریقہ کے موافق شکریہ ادا کیجئے۔ خدائے تعالیٰ اس کو قبول فرماتے ہیں، اور یہ بھی ان کا بڑا احسان ہے کہ وہ اپنی مرضی کے موافق شکریہ ادا کرنے کا طریقہ بتلائے ہیں، وہ آیت یہ ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ۔ (پ۱۵، رکوع۹، سورہ بنی اسرائیل)۔ نماز پڑھو، دن ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک یعنی ظہر۔ عصر۔ مغرب اورعشاء۔ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ اور صبح کی نماز پڑھو، اس میں قرآن زیادہ پڑھا جاتا ہے اس لئے صبح کی نماز کو قرآن الفجر فرمایا ہے۔

اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡھُوۡدًا۔ صبح کی نماز کا وقت حضوری کا وقت ہے۔

**حدیث شریف**:۔ رسول اللہ ﷺ فرمائے ہیں کہ ”فرشتے صبح سے عصر تک اور عصر سے صبح تک، نماز فجر اور عصر میں جمع ہوجاتے ہیں اور جب جاتے ہیں تو اللہ

تعالیٰ پوچھتا ہے کہ تم ہمارے بندوں کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو، وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم ان کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑ آئے ہیں، اور جب ہم ان کے پاس آئے تو اُس وقت بھی وہ نماز میں تھے''۔

ہائے افسوس! بے نمازیوں کی طرف سے حضور اقدس میں کیا عرض کرتے ہوں گے۔

**حدیث شریف** :- جو شخص صبح کی نماز پڑھے تو وہ اللہ کے ذمہ میں ہے۔

**حدیث شریف** :- اگر لوگ جانتے کہ صبح کی نماز اور عشاء کی نماز میں کیا ثواب ہے تو نماز کیلئے حاضر ہوتے، اگر نہیں آسکتے تو گھٹنوں کے بل آتے۔

**حدیث شریف** :- جس نے صبح اور عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی تو گویا وہ تمام رات نماز پڑھتا رہا۔

**حدیث شریف** :- جو شخص صبح کی نماز پڑھے تو اس کے ساتھ ایمان کا جھنڈا رہتا ہے۔

ان احادیث کے بعد اب کوئی مضمون نماز کی فضیلت کیلئے کسی اور کی زبان سے سننے کی ضرورت نہیں۔

مگر مسلمانوں کی کم نصیبی کہ ہر بات میں یورپ کی تحقیق کے بغیر تسکین نہیں ہوتی، اس لئے نفسیات اور اجتماعیات کے ماہر امریکہ کا ایک ڈاکٹر لکھتا ہے اور جملہ مورخین کہتے ہیں کہ اسلام کو حیرت انگیز کامیابی، دنیا کے مسخر کر لینے میں جو ہوئی، وہ اس بناء پر ہوئی کہ اس نے اپنے حلقہ میں زبردست وحدت و تنظیم پیدا کر دی تھی، لیکن خود یہ معجزہ کیوں کر ممکن ہوا، اس پر کوئی غور نہیں کرتا۔ اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اس کا بڑا اور نہایت موثر ذریعہ نماز تھی روزانہ پانچ وقت نماز کیلئے مومنین کہیں بھی ہوں خواہ

جنگل میں، بیابان میں، اکیلے ہوں، یا گنجان شہروں میں، یا بڑے بڑے مجمعوں میں سب کے سب کا مکہ کی طرف رخ کر کے رکوع، سجود کرنا، خدا کی عبادت اور رسول کی تصدیق، اقرار، اسی ایک عبادت میں کرنا، اس منظر کا نہایت گہرا اثر یہ ہوتا ہے کہ تماشائیوں پر تک اس کا اثر پڑتا ہے۔

اس مشترک عبادت وتصدیق کے واسطے سے اہل ایمان کے قلوب کی شیرازہ بندی ہونا، یہ ایک نفسیاتی اثر ہے۔

محمد ﷺ پہلے شخص ہیں جنھوں نے نظم و وحدت کے باب میں نماز باجماعت کی حیرت انگیز قوت کا احساس کیا، اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اسلام کی طاقت اسی نمازِ پنجگانہ کی شدید پابندی کا نتیجہ ہے۔ یہ کون کہہ رہا ہے، کوئی مولوی نہیں، بلکہ ایک کافر۔ کیا بے نمازی نوجوانوں کو اب بھی سبق نہیں ملے گا۔ ایک جرمن ڈاکٹر کہتا ہے کہ حفظان صحت کیلئے وضو بہترین چیز ہے۔ منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور پیر پانی سے دھوتے رہنے سے مسامات کھلے رہتے ہیں جو حفظان صحت کیلئے نہایت مفید ہے۔

اس **تمہید** کے بعد نماز کی فضیلت بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی فضیلت بیان کی جائے کہ جہاں نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے، اس لئے اب مسجد کی فضیلت کے بارے میں کچھ سنئے۔

## • مسجد کے فضائل

اس بارے میں ارشاد باری ہو رہا ہے:۔

”فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ لا یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ o رِجَالٌ لا لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ''.

(پ ۱۸۔ رکوع (۵) سورہ نور)۔

اور ایک مقام پر ارشاد باری ہے:۔

مَاكَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ. (پ ۱۰۔ رکوع ۳۔ سورہ توبہ)

عالم دو ہیں، ایک عالم کبیر جو عرش سے فرش تک ہے۔ دوسرا عالم صغیر جو انسان ہے۔

عالم کبیر میں جو کچھ ہے وہ سب عالم صغیر میں ہے، ستاروں کو طلوع اور غروب ہوتا ہے۔

ایسا ہی انسان کا طلوع ولادت ہے اور غروب موت ہے۔

بدن، زمین کے مثل ہے۔

ہڈی، پہاڑ کے۔

گود، کان کے۔

رگیں، نہریں۔

گوشت، مٹی۔

بال کی روئیدگی، مثل نباتات کے۔

منھ، مشرق۔

پشت، مغرب۔

دایاں، جنوب۔

بیاں، شمال۔

سانس، ہوا۔

اس کا غضب، رعد، کڑک۔

ھنسنا۔ بجلی۔

رونا، بارش۔

پسینہ، پانی۔

نیند، موت۔

بچپن، ربیع۔

جوانی، موسم گرما۔

ادھیڑ پن، خریف۔

بڑھاپا، جاڑے کا موسم۔

آنکھیں، تارے۔

دماغ، لوح محفوظ۔

جسمانی قوتیں، مثل فرشہ کے۔

غرض جو کچھ عالم کبیر میں ہے وہ سب عالم صغیر میں ہے۔ اس لئے پہلے عالم کبیر بنا کر پھر عالم صغیر بنائے اور فرمائے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ. (پ۱۸۔ رکوع ا۔ سورہ مومنون) اتنے بڑے عالم میں جو کچھ ہے وہ سب اتنے چھوٹے عالم میں بھی بنا دیا، کیا شان والا ہے، سب چیز کا نمونہ ہوا، اور اگر عرش کا نمونہ نہ ہو تو کچھ نہ ہوا، اس لئے عرش کا نمونہ دل بتایا ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی ارادہ فرماتا ہے تو اس کا اثر عرش پر ہوتا ہے، عرش سے لوح محفوظ پر، لوح محفوظ سے فرشتے لے کر آسمانوں کو حرکت دیتے ہیں، آسمان، چار عناصر کو، چار عناصر سے ظہور، ارادہ

الٰہی کا ہوتا ہے، عالم کبیر میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اثر عرش کا ہے اور عالم صغیر میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اثر دل کا ہے تو عرش، مثل دل کے ہوا، خلاصہ یہ ہے کہ عالم کبیر کا دل عرش ہے اور عالم صغیر کا عرش دل ہے۔

ایسا ہی عالم سفلی کا بھی دل ہے۔

جیسے عالم کبیر میں کچھ کرنا ہو تو عرش پر ارادہ ظاہر کرتا ہے، ایسا ہی عالم سفلی میں کچھ کرنا ہو تو پہلے قطب الاقطاب پر ارادہ ظاہر کرتا ہے، قطب الاقطاب سے قطب اقلیم پر، قطب اقلیم سے غوث پر، غوث سے اوتاد پر، اوتاد سے عالم ظاہری کے حکام پر، حکام سے ارادہ الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔

جیسا عرش، لامکاں میں ہے ایسا ہی دل سینہ میں ہے، اور قطب ، غوث، باطنی حکومت کرنے والے مسجدوں میں ہیں، جو عالم سفلی کے دل ہیں، اس لئے فرماتا ہے :۔

”فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَیُذۡكَرَ فِیۡهَا اسۡمُهٗ ۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیۡهَا بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ ۙ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡهِیۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ“۔

(پ ۱۸۔رکوع(۵) سورہ نور)۔

ایسے باطنی حاکم کہاں ملیں گے، ان کو کہاں ڈھونڈو گے ایسے گھروں میں جن کے حق میں اللہ نے فرمایا ہے، عزت بڑھانے کا، اس میں خدا کا نام لیتے رہنے کا، ان کو کوئی مشاغل خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتے ہیں۔

غرض خدا کے ارادہ کا ظہور تین جگہ ہوتا ہے، جیسا کہ کہتے ہیں کہ خدا عرش

پر ہے نور دل میں ہے، اور مسجد اللہ کا گھر ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ تین مسجد ہیں۔

(۱) عالم جبروت میں عرش۔

(۲) عالم ملکوت میں دل۔

(۳) عالم ناسوت میں مسجد۔

دل فنا ہوتے ہی انسان فنا ہو جاتا ہے، عرش کے فنا ہوتے ہی عالم کبیر فنا ہوتا ہے، قریب قیامت کے مکہ شریف ڈھایا دیا جائیگا، کوئی اللہ، اللہ بولنے والا نہ رہے گا۔ مسجدیں اجاڑ ہو جائیں گے تو اس وقت عالم سِفلی فنا ہو جائے گا۔

**حکایت** :- ایک جاہل عورت مکہ میں گئی، کعبہ شریف کو دیکھ کر کہنے لگی یہ تو میرے ہی گھر کے جیسا ہے، بلکہ میرا گھر اس سے زیادہ بڑا ہے، ہاں کچھ چہل پہل، عظمت، شان ایسی میرے گھر میں نہیں ہے۔

اس عورت کے جیسے ہم بھی ہیں، بہت سنتے آئے ہیں کہ دل خدا کا گھر ہے، دل عرش ہے، دل میں خدا کے ارادہ کا ظہور ہوتا ہے، پھر جب ہم اپنے دل کو دیکھتے ہیں تو زبان حال سے کہتے ہیں:۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو یک قطرۂ خوں نہ نکلا،
کیا یہی دل کی یہ دھوم مچی ہوئی ہے؟

میرے دوستو! آپ کا ہمارا یہی دل، ہاں ہاں یہی دل ہے جس کو عرشِ خدا کہتے ہیں۔ خدا کا گھر یہی دل ہے، سب کچھ سچ ہے ہائے کیا کہیں:۔

بھر رہے ہیں دل میں دنیاوی خیال آئے کیونکر اس میں نورِ ذوالجلال
دوسرے کے ساتھ وہ شاہِ غیور جمع ہوتا ہی نہیں اے بے شعور

چاہیئے تجھ کو اگر وصلِ صنم گھر کو خالی غیر سے کر یک قلم

کھینچ خلوت میں بہت سا انتظار تا میسر ہو تجھے وصلِ نگار

دیکھا ہے کوئی بھی ایسا خوبرو سَوت کے جو پاس بیٹھے دو بدو

ہے غنی تر سب شریکوں سے خدا

چاہتا ہے یار وہ سب سے جدا

پھر یہی دل جس میں تردد ہو رہا ہے، ربّانی صندوقچہ بن جاتا ہے جس میں رحمانی موتی رہتے ہیں، پھر عرش بھی باوجود عظمت کے ایسے دل کے سامنے ہیچ ہوجاتا ہے۔

ہائے چونے پتھر کی مسجدوں کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔

مَاكَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَاللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ط اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ج صلے وَ فِى النَّارِهُمْ خٰلِدُوْنَ o

(پ۱۰۔ رکوع ۳۔ سورہ توبہ)۔

مشرکوں سے مسجدوں کی آبادی نہیں ہوسکتی۔ مسجد توحید کی جگہ ہے، مشرک کا وہاں کیا کام، ان کے سارے اعمال اکارت، وہ ہمیشہ کے دوزخی۔

اِنَّمَا يَعْمُرُمَسٰجِدَاللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ۔

(پ۱۰۔ رکوع ۳۔ سورہ توبہ)۔

مسجد کی آبادی کا حق ان کو ہے جو خدا کی توحید کے قائل ہیں، عظمت و ادب الٰہی ان کے دل میں ہو، تاکہ مسجد کا ادب کریں، اور ایمان قیامت کے آنے پر ہو جس سے خوفِ الٰہی و امید پیدا ہو، تاکہ آبادئ مسجد کا خیال رہے۔ نمازی ہوں، کہ انھیں کو مسجد کی ضرورت ہے۔ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ زکوٰۃ دیتا ہو، مال صرف کرنے کی

عادت ہو۔ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ڈرے تو خدا ہی کا ہے۔ کہ سارے عالم کو چھوڑ کر اسی کے در دولت پر جبہہ سائی کرتا رہے (پیشانی رگڑے)۔ فَعَسٰى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ o یہی لوگ راہ پانے منزلِ مقصود تک جانے والے ہیں۔

ہائے چونے پتھر کی مسجدوں میں مشرک کا کام نہیں تو صاحبو نور کی مسجد جو دل ہے اس میں مشرک کا کیا کام ہے۔ حکم ہوا داؤد (علیہ السلام)! میرے لئے ایک گھر بناؤ میں اس میں رہنا چاہتا ہوں۔ داؤد علیہ السلام عرض کئے آپ گھر سے پاک ہیں۔ حکم ہوا داؤد (علیہ السلام)! تم دل کو خالی کرو، میں اس گھر میں رہتا ہوں جو غیر سے خالی ہے۔

اعمالِ شریعت، وآداب طریقت کے ساتھ ذکرِ الٰہی کثرت سے ہو، ایسوں ہی کے دل میں وہ رہتے ہیں یعنی تخلیہ وتحلیہ کرنے والوں کے دل میں رہتے ہیں۔

صاحبو! عرش کا ذکر چھوڑیئے۔ اب دل جو کہ مسجد ہے اس کا اور اس مسجد کا ذکر سنیئے جس کی ہم کو ضرورت ہے۔ جو مسجدوں کے ساتھ بے ادبی کرتے ہیں خدائے تعالیٰ ان کو کیا سزا دیتے ہیں، خود خدائے تعالیٰ ہی سے سنو۔ ارشاد ہوتا ہے لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ''دنیا میں ہم ان کو ذلیل کرتے ہیں'' وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ o ''پھر آخرت میں بڑا عذاب ہوگا، یعنی آخرت کے عذاب کے سوا دنیا میں ذلیل ہونے کے جو اسباب ہیں ان میں سے ایک سبب بے ادبی مسجد ہے:۔

مسجدے کاں در درونِ اولیاء ست
خانۂ خاصِ حق است آنجا خدا ست
نیست مسجد جز درونِ سروراں
آں مجاز است ایں حقیقت اے جواں

ترجمہ :- جو مساجد کہ اولیاء اللہ کے دلوں میں ہیں، وہ دل خدا کے خاص گھر ہیں، اس میں خدا رہتا ہے، اگر اصلی مسجد پوچھو تو اولیاء اللہ کے دلوں میں ہے، ظاہری مساجد مجازی ہیں اور حقیقی مساجد اولیاء اللہ کے دل ہیں۔

اُس عالم میں اِس عالم کا الٹا ہے، یہاں جو شراب کباب کے لطف و راحت میں ہیں، وہ وہاں تکلیف میں ہوگا، جس کو یہاں تکلیف ہے اس کو وہاں شراب طہور، کباب طیور، حور و قصور ملیں گے۔

صاحبو سنو! آبادئی مسجد کئی طرح سے ہوتی ہے۔

## تعمیر مسجد ( بناء مسجد )

**حدیث :-** جو شخص مسجد بناتا ہے، اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے، اگر تعمیر مسجد میں کئی لوگ شریک ہوں تو سب کو علیحدہ علیحدہ گھر جنت کا ملتا ہے۔

**حدیث :-** سات شخصوں کو مرنے کے بعد بھی قبر میں اجر ملتا رہتا ہے۔

(۱) وہ جس نے علم سکھایا۔ (۲) جس نے نہر کھدائی۔

(۳) باؤلی کھدوائی۔ (۴) درخت بویا۔

(۵) جس نے مسجد بنائی۔ (٦) مصحف وقف کیا۔

(۷) اولاد صالح چھوڑا جو اس کیلئے استغفار کرتی رہے۔

مسجد کے بنانے میں جب یہ فضیلت ہے تو دل کی مسجد کہ جو اِس عالم کی ہے اس کے توڑنے میں فضیلت ہے۔

**حکایت :-** سلطان محمود غزنویؒ کے محبوب ایاز کے غلہ سے ایک شخص کا آئینہ

ٹوٹا، اس شخص نے بادشاہ کے پاس فریاد کی، بادشاہ نے قیمت دریافت کی، اس نے کہا اس کی قیمت ایک لاکھ روپیہ ہے، بادشاہ نے کہا دوکوڑی کے آئینہ کی قیمت ایک لاکھ روپیہ ہے؟ اس نے کہا حضور گو آئینہ دوکوڑی کا ہے مگر آپ کے محبوب کے ہاتھ سے ٹوٹا ہے اس لئے اس کی ''لاکھ'' قیمت ہے، ایسا ہی کل قیامت میں ٹوٹے ہوئے دل لے چلو۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کیا قیمت ہے، دوکوڑی کا دل ہے، ہم کہیں گے بالکل سچ ہے مگر آپ کے محبوب کے حکم سے ٹوٹا ہوا ہے، اس کی قیمت آپ ہی ہیں۔ حکم ہوگا یہ تو پہلے ہی طے ہوگیا ہے کہ ہم ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتے تھے، سب چیزیں نہ ٹوٹنے سے سلامت رہتی ہیں یہ دل ٹوٹنے سے سلامت رہتا ہے، اسی واسطے قلب شکستہ کو قلب سلیم کہتے ہیں، دل ٹوٹتا ہے ندامت وگریہ وزاری سے جب یہ ٹوٹتا ہے تو سالم ہوکر سلیم بن جاتا ہے۔

سلیم اس سانپ کاٹے ہوئے شخص کو بھی کہتے ہیں جو تریاق سے صحت پاتا ہے تو اس کی کیا حالت ہوتی ہے کوئی رسی دیکھا کہ بھاگتا ہے، ڈرتا ہے، خیال کرتا ہے کہ سانپ ہی ہے، ایسا ہی قلب سلیم کی علامت یہ ہے کہ گناہ کی شکل سے ڈرتا ہے۔ ایسا ٹوٹا ہوا دل خزانۂ الٰہی ہوتا ہے۔

**حکایت** :- حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی، زمین پر پھینک دیئے گئے، اتنا روئے کہ گھاس اُگ آئی، ہمیشہ منھ ڈھانکے رہتے، جب گناہ یاد آتا تو آہ کرتے، منھ سے آگ کا شعلہ نکلتا، جب خدا نے توبہ قبول کی تو پکارا، آدم یا صفی اللہ، تین بار خدا نے پکارا لیکن یہاں جواب ندارد، فرشتے سمجھے کہ آدمؑ ہلاک ہوئے، اس لئے فرشتے کانپ گئے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام اترے اور کہا آدمؑ ! تم نے اللہ کی ندا نہیں سنی، کہا ہاں سنی۔ جبرئیلؑ نے کہا پھر جواب کیوں نہ دیئے۔ آدمؑ نے کہا اللہ پکار رہا تھا کہ آدمؑ تم میرے صفی ہو، بھلا میں کیسا صفی ہوسکتا ہوں، میں تو نافرماں ہوں، میں نے خیال کیا کہ شاید اللہ کوئی اور آدم مٹی سے بنا کر اس کو صفی پکار رہے ہیں ، اگر مجھے پکار رہے ہیں تو حاضر ہوں، حکم ہوا جبرئیل آدمؑ سے پوچھو، میں جب پکار رہا تھا، اس وقت ان کے دل کا کیا حال تھا۔ عرض کیے دل کہہ رہا تھا، اے خدا آپ گناہ بخش سکتے ہیں مگر جب مجھے اپنے گناہ کا خیال آتا تھا تو دل ٹوٹ جاتا تھا ، حکم ہوا جبرئیلؑ گواہ رہو، میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہوں۔

- **(۲) آبادئی مسجد مرمت سے بھی ہوتی ہے**

مسجد کی تعمیر ہو یا مرمت مال حلال سے ہو، مالِ حرام کی بنائی ہوئی مسجد، مسجد نہوگی مثل اور گھروں کے ہے ، اگر مال حرام مشتبہ لگا ہو تو احترام مثل مسجد کے کیا جائے ، مگر زیادہ ثواب کی امید نہ رکھے۔

چونے پتھر کی مسجد، مالِ حرام سے بنے تو مسجد نہیں ہوتی، ہائے! نور سے بنی ہوئی دل کی مسجد، مالِ حرام سے بنے تو وہ کیسے مسجد بنے گی۔

چونے پتھر کی مسجد کی مرمت ، مال حرام سے جائز نہیں ، دل کے مسجد کی مرمت مالِ حرام سے کیسے جائز ہوگی۔

- **(۳) جاروب کشی وغیرہ بھی آبادئی مسجد ہے:**

**حدیث :۔** رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود کے مشابہ نہ بنو، بلکہ گھر کے صحن و گلی کو کوڑے کرکٹ سے پاک وصاف رکھو۔

غور فرمانے کی بات ہے کہ صحن و گلی کو کوڑے کرکٹ سے پاک و صاف

رکھنے کیلئے ارشاد ہے تو مسجد کیلئے کس قدر تاکید ہوگی، اور جب چونے پتھر کی مسجد کو صاف رکھنے کی یہ تاکید ہے تو دل کی مسجد کی صفائی اور اخلاق ذمیمہ کو دل سے دور کرنے کا کس قدر تشدد ہوگا۔

**حدیث :-** میری امت کی نیکیاں مجھ پر پیش کی گئیں، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ مسجد سے کوڑا کرکٹ نکالنا یہ بھی ایک نیکی ہے۔

**حدیث :-** مسجد سے ایک مٹھی کچرا نکال کر پھینکنے سے قیامت میں اُحد کے برابر ثواب ملے گا اور جنت میں گھر بنایا جائے گا۔

**حدیث :-** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے جنت میں اس عورت کو دیکھا ہے جو مسجد کا کورا کرکٹ جھاڑتی تھی۔

**حدیث :-** مسجد سے کچرا نکالنا حور کا مہر ہے۔

## ● (۴) مسجد میں چراغ جلانا

**حدیث :-** مسجد نبوی ﷺ میں پہلے کھجور کے تنوں کو جلا کر اس کی روشنی میں نماز ہوتی تھی پھر تمیم داریؓ قندیل مسجد میں لٹکائے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا، تم ہماری مسجد کو روشن کیئے ہو، خدائے تعالیٰ تم کو روشن کرے، نورانی کرے اگر میری لڑکی بے بیاہی ہوتی تو تم سے نکاح کر دیتا، ایک صحابی نے حضرت ﷺ کی خوشی پوری کرنے کیلئے اپنی لڑکی ان سے بیاہ دی۔

**حدیث :-** جو کوئی مسجد میں چراغ جلائے تو جب تک وہ چراغ رہے حاملانِ عرش اس کیلئے مغفرت مانگتے ہیں۔

**حدیث :-** مسجد میں جو شخص قندیل لٹکائے تو اس قندیل لٹکانے والے کے لئے قندیل ٹوٹنے تک (۷۰) ہزار فرشتے مغفرت مانگتے ہیں۔

صاحبو! چونے پتھر کی مسجد میں چراغ جلانے کی یہ فضیلت ہے اللہ اللہ دل کی مسجد میں چراغ جلانے کا کیا مرتبہ ہوگا۔ ہائے صاحبو! دل کی مسجد اندھیری پڑی ہے، چراغ اس میں لگاؤ۔ ہائے ، اللہ کا گھر اوراس میں یہ اندھیرا۔

اس میں وہ چراغ لگاؤ جس کو خود خدا فرماتا ہے۔

مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکوٰۃٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ط.

(پ ۱۸۔ رکوع ۵۔ سورہ نور)۔

طاقچہ دِل مومن، چراغ ،معرفت کا ہے، جوستاروں کی طرح چمک رہا ہے، اس میں شمع ہے توحید ومحبتِ کی ،نورٌعلیٰ نُور، جدھر دیکھئے نور ہی نور ہے، سارے اعضاء پراس کا اثر پڑ رہا ہے، یہ چراغ دل کی مسجد میں سلگتا ہے،

(۱) اعمال شریعت اور آداب طریقت پر پورا پورا عمل کرنے اور۔

(۲) اخلاق ذمیمہ سے دل کو پاک کرنے سے۔

(۳) لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دوسرے ذکرالٰہی پرامداومت کرنا اس چراغ کا تیل ہے،اس تیل اوراس چراغ کو نورانی بناؤ۔ پھر دیکھو اس کی کیا شان ہوتی ہے: ؎

سررشتۂ دولت اے برادر بکف آر　　دیں عمر گرامی بہ خسارت مگذار

دولت کی ڈوری حاصل کراے بھائی　　اس عزیز عمر کو نقصان سے مت گذار

دائم ہمہ جا باہمہ کس در ہمہ کار　　میدار نہفت چشمِ دل جانبِ یار

ہمیشہ ہرجگہ ہرشخص کے ساتھ ہرکام میں دل کی آنکھ

مخفی طور پر دوست یعنی اللہ کی طرف لگائے رکھ

صاحبو! چونے پتھر کی مسجد میں چراغ جلانے کی یہ فضیلت ہے اللہ اللہ دل کی مسجد میں چراغ جلانے کا کیا مرتبہ ہوگا۔ ہائے صاحبو! دل کی مسجد اندھیری پڑی ہے، چراغ اس میں لگاؤ۔ ہائے ، اللہ کا گھر اوراس میں یہ اندھیرا۔

اس میں وہ چراغ لگاؤ جس کو خود خدا فرماتا ہے۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ط. (پ ۱۸۔ رکوع ۵۔ سورہ نور)۔

طاقچہ دِل مومن، چراغ ، معرفت کا ہے، جو ستاروں کی طرح چمک رہا ہے، اس میں شمع ہے توحید ومحبتِ کی، نورٌ علیٰ نُور، جدھر دیکھئے نور ہی نور ہے، سارے اعضاء پر اس کا اثر پڑرہا ہے، یہ چراغ دل کی مسجد میں سلگتا ہے،

(۱) اعمال شریعت اور آداب طریقت پر پورا پورا عمل کرنے اور۔

(۲) اخلاق ذمیمہ سے دل کو پاک کرنے سے۔

(۳) لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اور دوسرے ذکر الٰہی پر امداومت کرنا اس چراغ کا تیل ہے، اس تیل اور اس چراغ کو نورانی بناؤ۔ پھر دیکھو اس کی کیا شان ہوتی ہے: ۔

| | |
|---|---|
| سررشتۂ دولت اے برادر بکف آر | ویں عمر گرامی بہ خسارت مگذار |
| دولت کی ڈوری حاصل کراے بھائی | اس عزیز عمر کو نقصان سے مت گذار |
| دائم ہمہ جا باہمہ کس در ہمہ کار | میدار نہفت چشمِ دل جانبِ یار |

ہمیشہ ہر جگہ ہر شخص کے ساتھ ہر کام میں دل کی آنکھ
مخفی طور پر دوست یعنی اللہ کی طرف لگائے رکھ

## ● (۵) مسجد میں جانماز وغیرہ بچھانا :-

ابتداء اسلام میں زمین پر نماز ہوتی تھی، ایک صحابی بارش کی وجہ جو مسجد سے ٹپکتی تھی، کنکریاں لاکراس پر سجدہ کئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تعریف فرمائے، پسند کئے، اس لئے تمام مسجد میں کنکریوں کا فرش کر دیا گیا۔ پھر ترقی کرتے ہوئے قسم قسم کے فرش بچھانے لگے، اسلامی شان کیلئے مسجدوں میں فرش اور جانمازوں سے آراستگی کی جائے تو نہایت بہتر ہے، جماعت سے نماز، جانمازوں پر ہو یا بورئے یا حصیر پر یہ افضل ہے۔

مسجد میں جب جائیں تو بلا تشبیہ ایسی حالت رہنی چاہیئے جیسا کہ حاکم دنیوی کی حضوری میں قلب اور جوارح کی حالت ہوتی ہے، یہی خیال رہے کہ ہم ہی پر نظر ہو رہی ہے :۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی  شائد کہ نگاہ کند آگاہ نباشی

ترجمہ :- ایک پلک مارنے تک بھی بادشاہ یعنی اللہ سے غافل نہ رہنا۔ شائد کہ کبھی تجھ پر نظر پڑ جائے اور تو اس وقت غافل رہے۔

صاحبو ! اتنا تو ہونا چاہیئے کہ اگر ہر وقت نہ ہو سکے تو حضوری مساجد کے وقت تو یہ خیال ضرور رہے، کیا کہوں مسجد کی کیا شان ہے۔

**حدیث** :- مسجد میں ہنسنا قبر میں اندھیرا ہونے کا باعث ہے۔

**حدیث** :- سب جگہوں سے زیادہ پیاری جگہ اللہ تعالیٰ کو مسجد معلوم ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب جگہوں سے بُری جگہ ہے بازار۔

**حدیث** :- مسجد کو بنانے والے اور مرمت کرنے والے اللہ والے لوگ ہیں۔

**حدیث** :- جو مسجد سے دل لگائے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے الفت کرتے ہیں۔

**حدیث :-** جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد کی خبر گیری کرتا ہے یا مسجد میں اکثر بیٹھا ہے تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دو۔

**حدیث :-** مسجد کی طرف چلنے میں ہر قدم پر ایک نیکی لکھتے اور ایک گناہ مٹاتے ہیں۔

**حدیث :-** جو مسجد میں جائے اس کیلئے ہر آمد و رفت پر ایک گھر جنت میں بنتا ہے۔

**حدیث :-** مسجد میں پانچ وقت جانے سے جہاد کا ثواب ملتا ہے۔

**حدیث :-** جو نمازی اندھیری رات میں مسجد کو جاتے ہیں انھیں خوش خبری سنا دو کہ قیامت کے دن انھیں نور کے منبر عطا ہوں گے، تمام آدمی خوفزدہ، لرزاں، ترساں اور یہ مطمئن و فرحاں رہیں گے، کیوں کہ دو خوف جمع نہیں ہوتے، دنیا کا اور قیامت کا، یہاں اندھیرے کا خوف سہا تو اب اس کو وہاں کا خوف نہ رہے گا۔

**حدیث :-** رسول اللہ ﷺ فرمائے جب جنت کی کیاریوں میں جاؤ تو میوہ خوری کرو، صحابہ نے عرض کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے، ارشاد ہوا جنت کی کیاریاں مسجدیں ہیں، میوہ خوری ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَر'' کہنا ہے مسجد کو جنت کی کیاریاں کہنے میں یہ رمز ہے کہ جنت گناہ کی جگہ نہیں ہے جنت میں گناہ نہ ہوگا چونکہ مسجد بھی جنت کی کیاریاں ہیں، اس لئے اس میں بھی گناہ نہ ہونا چاہئے، اور دوسری بات یہ ہے کہ مسجدیں جنت ہیں اور جنت میں ایذا نہیں، اسلئے مسجد میں بھی کسی کو ایذا نہ ہو: ۔

بہشت آنجا آزارے نباشد = بہشت وہ ہے کہ جس میں کوئی ایذا نہ ہو
کسے را با کسے کارے نباشد = کسی کو کسی سے تکلیف و ایذا نہ ہو

اس لئے مسجد میں کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اہل مسجد کو ایذا ہو، مثلاً

جہر سے نہ پڑھے کہ دوسرے ذاکروں کو تکلیف پہنچے یا نماز کیلئے ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ آنے جانے والوں کو تکلیف ہو۔

**حدیث** :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ زمین والوں پر عذاب کروں، مگر یہ تین قسم کے لوگوں کی وجہ سے میرا غصہ جاتا رہتا ہے۔

(۱) قرآن شریف پڑھنے اور سننے والے۔

(۲) مسجد کی خدمت کرنے والے۔

(۳) مسلمانوں کے معصوم بچے جو قرآن سیکھ کر پڑھتے رہتے ہیں۔

**حدیث** :- مسجد والوں پر شیطان کا اثر کم ہوتا ہے مسجدیں قلعہ ہیں شیطان سے محفوظ رہنے کے۔

**حدیث** :- مساجد آسمان والوں کو ایسی نورانی معلوم ہوتی ہیں جیسے زمین والوں کو تارے۔

**حدیث** :- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے گھر زمین میں مسجدیں ہیں، مسجدوں کو آنے والے مجھ سے ملاقات کرنے والے ہیں، مبارک ہو، اس بندہ کو کہ جو اپنے گھر سے باوضو نکلا، پھر میرے گھر یعنی مسجد میں مجھ سے ملاقات کیا، حق ہے گھر والے پر کہ ملاقات کو آنے والے کی عزت کرے۔

**حدیث** :- مسجدیں اللہ کے نزدیک دنیا کے تمام مکانوں سے زیادہ محبوب ہیں۔

**حدیث** :- جن کے دل مسجدوں میں لگے رہتے ہیں وہ بروز حشر زیر سایۂ عرش ہوں گے۔

**حدیث :-** حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس بندہ کو خدا دوست رکھنا چاہتا ہے اس کو مسجد کا خادم اور محافظ بناتا ہے۔

**حدیث :-** مسجدیں خدا کے صحن اور اس کے گھر ہیں، خدا نے ان کے اونچا کرنے اور پاک رکھنے کا حکم دیا ہے ان میں برکت ہے۔

مسجدیں خود بھی مبارک ہیں، ان کے رہنے والے بھی مبارک ہیں، وہ خود بھی محبوب ہیں ان کے رہنے والے بھی محبوب ہیں۔ وہ تو نماز میں ہوتے ہیں اور خدا ان کی حاجتوں کے پورا کرنے میں ہوتا ہے، وہ مساجد میں ہوتے ہیں اور خدا ان کے مقاصد کے برلانے میں ہوتا ہے۔

**حدیث :-** جو مسجد سے دل لگاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے الفت کرتا ہے۔

صاحبو! سنو! جیسے نہ سب دل برابر ہیں، ایسا ہی سب مسجدیں بھی برابر نہیں ہیں۔ قُنیہ میں ہے کہ سب مسجدوں میں زیادہ حرمت و مرتبہ والی " اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ " ہے پھر مسجد مدینہ، پھر مسجد بیت المقدس، پھر جامع مسجد، پھر مسجد محلّہ، پھر مسجد شارع عام، پھر مسجد گھر کی۔ یعنی وہ جگہ جو گھر میں نماز کیلئے بنایا ہے۔

**حدیث :-** بیت المقدس کی زیارت کرنے سے اور اس میں عبادت کرنے سے ایک نماز کا اور ایک نیکی کا ثواب (۲۵) ہزار نماز اور (۲۵) ہزار نیکیوں کا ملتا ہے ایسا ہی مدینہ شریف کی مسجد میں نماز پڑھنے کا (۵۰) ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے، اور ایسا ہی مکہ معظّمہ میں نماز پڑھنے کا اور نیکی کرنے کا ثواب ایک لاکھ نماز اور ایک لاکھ نیکیوں کا ملتا ہے۔

مساجد کو خس و خاشاک، بلغم، ریٹ اور دیگر نجاسات سے پاک رکھے، عود،

اگر بتی سے معطر رکھے، فرش ، پاک اور بے تکلف بچھائے، نقش و نگار نہ ہو، بلکہ اللہ کے نام کی روشنی ہو، اللہ والوں کے سوزِ دل کے بخور، اُن کے زرد چہرے، عشق سے سنہرے رنگ اور سینہ خراشیوں کے نقش ونگار بس ہیں، نماز پنجگانہ ہو، اذاں وقت پر دی جائے۔ بعد دخولِ مسجد فرض وسنت پڑھے تو بس ہے، ورنہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے، جب کہ نماز کی نیت سے نہ گیا ہو۔ اور اگر وہ وقت مکروہ ہو تو قبلہ رو بیٹھ کر خفی ذکر و تسبیح کرے۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے سیدھا قدم مسجد کے اندر رکھے اور یہ دعا پڑھے۔

رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ ذُنُوۡبِیۡ وَافۡتَحۡ لِیۡ اَبۡوَابَ رَحۡمَتِكَ۔

مفہوم: اے میرے پروردگار میرے گناہوں کو بخش دے اور مجھ پر اپنی رحمت کے دروازوں کو کھول دے۔

اور جب مسجد کے باہر نکلے تو بایاں پیر پہلے باہر نکالے اور یہ دعا پڑھے۔

وَافۡتَحۡ لِیۡ اَبۡوَابَ فَضۡلِكَ.

مفہوم: اور مجھ پر اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔

نماز جماعت کا انتظار کرنا بھی عبادت اور مثل نماز کے ہے، جب تک وہ نماز کے انتظار میں رہتا ہے فرشتے اس کیلئے مغفرت اور رحمت کی دُعا کرتے ہیں، جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو، مسجد میں گم شدہ چیز بلند آواز سے نہ ڈھونڈے، کیوں کہ حضرت نے بد دُعا دی ہے، بچوں اور دیوانوں سے مسجد کو بچاویں، سلاح یعنی ہتھیار مسجد میں نہ لاویں۔ خانہ جنگی نہ کریں، مسجد میں بھیک مانگنا منع ہے۔ مسجد میں راگ سے اشعار نہ پڑھیں۔ مسجد کے اندر غیر معتکف کو نیند، غسل ، وضو اور حجامت ممنوع ہے،

اسی طرح کچی پیاز کھا کر حقہ بیڑی پی کر مسواک کئے بغیر مسجد میں آنا بھی مکروہ ہے۔
اسباب طہارت اور اسباب غسل خانہ اور فرش، بوریا وغیرہ مہیا کرنا، چراغ روشن کرنا عبادت ہے۔
دو گناہ میں ہر شخص مبتلا ہے۔(۱) غیبت (۲) مسجد میں باتیں کرنا۔
اس کا علاج یہ ہے کہ مسجد کے متصل کوئی جگہ باتوں کیلئے بنائے۔

صاحبو! سونچو، اس مسجد کو انسان نے بنایا ہے، انسان ہی اس میں عبادت کرتا ہے تو اس کی یہ شان ہے کہ اس میں ذکر نہ ہونے سے اللہ ناراض ہوتا ہے اس کے ویران کرنے والے پر اس قدر غضب میں ہے کہ ان کو ظالم کہہ رہا ہے وہ دنیا میں ذلیل ہوں گے۔ آخرت میں عذاب دیئے جائیں گے، سچ بولو صاحبو! جس مسجد کو اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے بنایا ہو، خَلَقْتُ بِيَدِیْ ۔میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔وہ کونسی مسجد، وہ دل ہے کس کے واسطے، خاص اپنے واسطے ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ''۔(پ ۲۷۔رکوع ۲۔سورۂ ذاریات)۔مفہوم: ''اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں کو اور انسانوں کو سوائے اس کے کہ میری عبادت کریں''۔ اس میں اگر ذکر الٰہی نہ ہو تو کس قدر ناراض ہوگا، اگر ذکر نہ ہوتا تو پھر بھی ایک بات تھی، ہائے ہم نے تو اس مسجد کو مندر بنا رکھا ہے، طرح طرح کے بت، شہوات، آرزو، علائق، اور کُتا غضب کا دبکا بیٹھا ہے، کہیں حرص کا سور بیٹھا ہے، ہائے مسجد میں کتا اور سور؟ کیا غضب ہے؟۔

بخیلی، خود پسندی، ریا، حسد، حرص طعام، حرص سخن، دوستئ مال، دوستئ جاہ یہ طرح طرح کی نجاستیں اس دل کی مسجد میں پڑے ہوئے ہیں کسی عورت سے حرام

کرنے کا ارادہ ہے تو اس عورت کی مورت بھی ایک طرف اس مسجد میں ہے، اگر نشہ کی عادت ہے تو شراب کے شیشے، سیندھی کے گھڑے اس دل کی مسجد میں رکھے ہوئے ہیں، سود لینے کا، رشوت لینے کا، کسی پر ظلم کرنے کا، طرح طرح کا خیال بھی دھرا ہے، ہائے ہم نے اس مسجد کو کیا ویران کیا ہے، سچ فرمایئے اس کے اجڑنے میں کچھ کمی باقی ہے؟ مسجد میں دنیا کی باتیں بے شک بری ہیں مگر دل کی مسجد میں جو یہ شور ہو رہا ہے جو کان پڑی آواز نہیں آتی ، کہیں اس کی بھی فکر ہے۔

ابھی آپ کے ہاتھ میں ہے، اب تک بت تراش تھے، اب بت شکن بنو، پشیمانی گناہ کے تیر لے کر سب بتوں کو توڑتے جاؤ۔ آج اس کا علاقہ ٹوٹا، کل اُس کا علاقہ، سارے لانبے، چوڑے آرزؤں کو خیالِ موت کی جھاڑو سے جھاڑ دو۔ حلم کی چھری سے کلب غضب کو اور قناعت کی چھری سے خنزیرِ حرص کو ذبح کرو، پرہیز گاری کی لکڑی سے شراب کے شیشے، سیندھی کے گھڑے توڑ دو۔

- **تخلیہ :-**

سود، رشوت لینے کے خیال کے دھبوں کو تقوے کے پانی سے دھوڈالئے۔ بُرے اخلاق کی جو نجاست پڑی ہے اس کو دھوڈالو، پھر دیکھو وہی دل کی مسجد کیسی پیاری معلوم ہوتی ہے۔ یہی تخلیہ ہوا۔

- **تحلیہ :-**

بہت دنوں سے مسجد اجاڑ پڑی تھی، بدبوئی باقی ہے، صبر، شکر، بے رغبتی دنیا وغیرہ خوش اخلاق کے مجموعہ عطر سے اس مسجدِ دل کو خوب بساؤ۔ یہی تحلیہ ہوا۔

ذکر سے مسجدِ دِل کو آباد کرو۔ دل اِدھر اُدھر بھاگے گا، کھینچ کر ذکر کی طرف لاؤ۔ پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ذکر کے سواء اور طرف دل کو کھینچ کھینچ کر لانا پڑیگا۔

پھر اس دل کی مسجد میں آپ ہوں گے یا دل والا کہو، یا گھر والا یعنی اللہ تعالیٰ پھر اس وقت ملاء اعلیٰ کے فرشتے اس دل کی مسجد کو دیکھنے کیلئے آئیں گے تو ہمارے دل میں ایمان کا چراغ جل رہا ہے مگر یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ ہے، ہدایت کا راستہ ملتا نہیں، جب کئی مسلمان مل بیٹھیں تو ایمان کے کئی چراغ جمع ہو جاتے ہیں، ساری مجلس بقعۂ نور بن جاتی ہے، ہدایت کا راستہ صاف کھلا نظر آتا ہے، خدا ایسا ہی کرے۔

صاحبو! اپنی حالت پر کبھی آپ نے غور کیا، سنو اگر کسی کے پاس ایک لعل ہے سات (۷) بادشاہت جس کی قیمت ہے، ایک بہت بڑے شہنشاہ کی اس پر نظر ہے خدا جانے اس کے بدلے کیا کیا ملتا۔ مگر یہ کم نصیب لعل والا بے قدری سے اس کی آب و تاب کھو دیا اور اس کو دو کوڑی کا بنا دیا۔ آپ اس کو کیا کہو گے، اس کم بخت کی حالت پر بے حد آپ تعجب کریں گے۔ اس سے ہزار درجہ زیادہ تعجب ہماری حالت پر کیجئے۔

میرے دوستو! تمہارے سینہ کے صندوق میں بھی تو ایک انمول لعل ہے، سات جنتیں اس کی قیمت ہیں، دن میں اللہ تعالیٰ (۳۶۰) مرتبہ دل پر نظر ڈالتا ہے، ہائے ہماری کم نصیبی ہم نے اس کی آب و تاب کھو کر اس کو دو کوڑی کا بنا دیا ہے اور طرفہ سنئے، جب آپ کو یہ معلوم ہو کہ وہ لعل اس لعل والے کا نہیں، کہیں سے مانگا ہوا ہے مستعار ہے۔ واپس دینا ہے اور اس نے اس لعل کی یہ گت بنا رکھی ہے، وہ شخص لعل کے مالک کو کیا منہ دکھائے گا۔ واپس دیتے وقت کیا کرے گا، تو شائد آپ کے تعجب کی کچھ حد نہ رہے گی۔

ایسا ہی صاحبو! یہ دل ہمارا نہیں ہے، یہ تو مانگا ہوا مستعار ہے، خدا کا ہے خدا کو واپس دینا ہے، ہم تو اس دل کی یہ گت بنا رکھے ہیں، دل کے مالک کو کیا منھ دکھائیں گے واپس دیتے وقت کیا کریں گے، اسی واسطے ایک روایت میں آیا ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرے بندے میں تجھ کو دنیا میں پاک لایا ہوں، تیرے سینہ میں ''دل'' امانت رکھا ہوں، دیکھیں کیسی تو اس کی حفاظت کرتا ہے، اور دیکھیں کیسا دل لے کر تو ہم سے ملتا ہے، پھر جب سکرات میں روح نکلنے کا وقت آتا ہے تو پھر فرماتا ہے میرے بندے میری امانت کیسی لایا ہے، جیسی دیا تھا ویسی لایا ہے تو تیرے لئے چھٹکارا ہے، اگر ہماری امانت میں خیانت کیا ہے، اور دل کو بگاڑ لایا ہے تو تیرے لئے طرح طرح کی مصیبتیں ہیں۔

یا یوں سمجھئے کہ یہ امانت رکھا ہوا دل روشن آفتاب ہے اس جسم فانی میں غروب ہو گیا ہے جب یہ جسم فنا ہوگا اس وقت یہ آفتاب جیسا دل طلوع کرے گا، یا تو جیسے روشن ڈوبا ہے ایسا ہی روشن نکلے گا، یا گہن لگا ہوا سیاہ کالا نکلے گا۔

ہائے حسرت اس وقت کی جب یہ کالا نکلے کچھ نہ پوچھئے۔

غرض ہر دل پاک پیدا ہوتا ہے، خدا کا مقبول رہتا ہے، آخرت کی نعمتوں کے لائق ہوتا ہے، دیدارِ الٰہی کا مستحق رہتا ہے۔ مثل صیقل کئے ہوئے آئینہ کے ہوتا ہے، پھر جیسے آئینہ پر ''ھا'' کر کے پھونک ماریں تو وہ دھندلا ہوتا ہے، ایسا ہی گناہوں کی تاریکی دل پر چڑھ کر دل کو دھندلا کر دیتی ہے، مگر گناہوں سے نفرت کرتا ہے اور پچھتاتا ہے، پھر بار بار گناہ کرنے سے گناہوں کی مشق ہو کر گناہوں سے محبت ہو جاتی ہے تو جیسے آئینہ زنگ آلود ہو جاتا ہے ایسی ہی اب گناہوں کی سیاہی کی

تہہ پہ تہہ دل پر جمتی جاتی ہے تو دل پر بھی زنگ چڑھ جاتا ہے، حق و باطل کی تمیز اٹھ جاتی ہے اگر اب بھی خبر نہ لیا تو یہ زنگ اور اندر اترتا جاتا ہے، سارے دل کو گھیر لیتا ہے، بے حد گناہوں کی جراءت بڑھ جاتی ہے اس وقت دل کی حالت کیا کہوں کیسی ہوتی ہے، پہلے دل مثل ہاتھ کے کھلا ہوا تھا، گناہ ہوتے جاتے ہیں تو ایک ایک انگلی بند ہوتی جاتی ہے، جب مٹھی مُوچے جاتی ہے ایسا ہی دل ہوجاتا ہے تو اس وقت عرش کے پایوں پر جو مہریں لٹکے ہوئے ہیں لاکر اس دل پر وہ مہریں کردی جاتی ہیں، پھر عقل معاش تو رہتی ہے مگر عقل معاد چھین لی جاتی ہے، اس وقت ہزار کوئی کہے سمجھ میں نہیں آتا۔ نیکیوں کی توفیق ہوتی ہی نہیں، بلکہ گناہوں کو حلال ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، ایسے قلب کے پلٹی کھانے کی بہت کم امید ہے۔

میرے دوستو! سن لئے دل کی حالت، خدا کے پیارے رسول نے ہر ایک کے دل کو اس کے سامنے کر کے دکھا دیئے ہیں، اب دیکھ لیجئے آپ کا دل کیسا ہے۔

صاحبو! دل کی نورانیت کا زمانہ آ گیا ''وَزَهَقَ الْبَاطِلُ '' دل کی تاریکی کا زمانہ گیا ''اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًاO وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ''۔ ہم قرآن نازل کر رہے ہیں، اس میں دل کے بیماریوں کیلئے شفا ہے اور رحمت ہے'' وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا O '' (پ۱۵۔ رکوع ۹۔ سورہ بنی اسرائیل) جو ڈاکٹر کا کہا نہ مانے اس کو بجز نقصان اٹھانے کے اور کیا حاصل ہوگا۔ اسی طرح جو قرآن کے نسخوں پر عمل نہ کرے، ہائے اس کے دل کی یہ کالک کیسے جائے گی۔

سنو دوستو ! یہ کالک بغیر آگ کے نہیں جاتی ،جلنا ضروری ہے، ہاں آگ دو طرح کی ہے، ایک جہنم کی جو دوزخ میں جل بھن کر سیاہی اتارے گی۔

دوسری آگ ندامت کی، یہ آگ دنیا میں ہے، سچی ندامت ہو، پچھتاوا ہو، دل دُکھے کہ ہائے یہ کیا ہوا کیا کروں، میرے مالک کو کیا منہ دکھاؤں، جس کا دل سیاہ ہو، اس کیلئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جیسے دنیا میں وہ ہم کو بھولا ہوا تھا آخرت میں ہم بھی اس کو بھول جائینگے ۔اے اللہ آپ سب کہنا تھا مگر یہ نہ کہنا تھا۔

اس ندامت کی آگ سے بھی دل کی سیاہی دُور ہوتی ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے جس آگ میں چاہیں اس کم بخت دل کو جلا کر اس کی سیاہی دُور کریں۔

اے گناہوں پر ہٹ کرنے والو! کب تک یہ ہٹ رہے گی، دوزخ کی آگ کا انتظار مت کرو، ندامت کی آگ میں جلا کر جلد دل کو پاک کرلو، صرف منہ سے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا اگر کوئی اپنے کسی غلیظ کپڑے کو پاک کرنا چاہے اور منہ سے کہے ''دھودیا'' تو وہ نجس کپڑا اس طرح کہنے سے پاک نہ ہوگا۔

اٹھو، پانی لو، صابن لو، دھوؤ اب پاک ہوگا، ایسا ہی سچی ندامت سے دھوؤ، جیسے اب تک گناہ ہوتے تھے، اب نیکیاں کرتے چلو۔

یہ ہے طریقہ دھونے کا، منہ سے ''ھا'' کرنے سے جو آئینہ پر زنگ جم رہا تھا وہ ''ھا'' بند کرنے سے آئینہ صاف نہیں ہوگا۔ آئندہ ''ھا'' مت کرو، اور جو زنگ جم گیا ہے اس کو پونچو۔

ایسا ہی آئندہ گناہ مت کرو، اور جو کرکے دل پر زنگ جمالئے ہو اس کو ندامت سے پونچو۔ اور نور نبوت سے معلوم ہوا ہے کہ جیسے گناہوں سے زنگ چڑھتا ہے، ایسا ہی نیکیوں سے نور دل پر چھا جاتا ہے، اسلئے گناہ بند کرکے پچھلی حالت پر ندامت ہو، اور آئندہ نیکیاں ہوتی رہیں، یہ ہے توبہ۔

اگر شیاطین الجن یا شیاطین الانس کے دھوکے سے پھر گناہ ہو جائے تو اس پر اڑو مت، فوراً باز آ کر توبہ کا یہی طریقہ اختیار کرو۔

ایک اور دھوکہ شیطان کا بتلاتا ہوں، بعض لوگ کہتے ہیں ہم ایک گناہ میں مبتلا ہیں، کیا نماز پڑھیں، کیا نیکی کریں، جیسے ایک صاحب کہتے تھے، ''کروڑ گیری (کسٹم)'' کی نوکری ہے آپ کو معلوم ہے جیسے کچھ ہے، پھر کیا نماز پڑھیں۔

شیطان نے کس عمدگی سے دھوکا دیا ہے، عمر بھر تک اب وہ سنبھلتے نہیں، کسی کے کپڑے کا ایک کنارہ نجس ہو جائے تو وہ کیا کرے؟ کیا وہ تمام کپڑے کو پائخانہ میں ڈبو دے؟ یا اس کے دھونے کی فکر میں رہے، خدا سے گڑگڑا کر دعا کرتا رہے کہ خدایا اس گناہ سے چھڑا دے اور اس کو برا سمجھتا رہے، باقی نماز اور نیکیاں کرتا رہے تاکہ دل صرف دھندلا رہے، اس پر مہر تو نہ ہو جائے۔

غرض گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے، اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، بندہ! میں نے تجھ کو پیدا کرنے میں اور رزق دینے میں کسی کو شریک نہیں کیا، تو میری عبادت میں اوروں کو کیوں شریک کرتا ہے، کھاتا کس کا اور گاتا کس کا ہے، کسی کو میری عبادت میں، میرے صفات میں شریک مت کر۔

اے بے سمجھ انسان! ذرا تو سمجھ کہ فرشتے افضل الموجودات ہیں، آدم علیہ السلام کو بنا کر آدم کو فرشتوں سے سجدہ کروایا، اس سے یہ ثابت کر دیا کہ انسان سب سے افضل ہے، یہ کسی کی عبادت کے واسطے نہیں بلکہ تُو اے انسان میری عبادت کے واسطے ہے، سب اشیاء سورج، قمر، حجر کو ذریعہ رزق بنایا، تمہارے خادم بن کر تمہاری خدمت میں لگے ہوئے ہیں، تُو مخدوم ہو کر خادم کو سجدہ کرتا ہے ان کی عبادت کرتا ہے؟ تیرے عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں تجھ کو کیا ہوا؟

قُتِلَ الْاِنسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ۔ (پ ۳۰۔ رکوع ا۔ سورۂ عبس)۔

کوئی مشرک کہے کہ ہم بھی خدا کو مانتے ہیں یہ دھوکا ہے شیطان کا، صرف خدا کو ماننے کا نام توحید نہیں بلکہ خدا اور اس کے تمام صفات کو ماننا اور دوسروں میں ان صفات کا قائل نہ ہونا یہ توحید ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ فلاں ملک کے بادشاہ کو میں مانتا ہوں اس کا قائل ہوں، جب اس سے پوچھیں کہ وہ کیا ہے تو کہے کہ ایک عجیب الخلقت حیوان ہے جس کی آنکھیں گدی پر ہیں، چار ہاتھ ہیں اور ایک دم ہے تو اس کو بادشاہ کا قائل ہونا نہ کہا جائے گا، درحقیقت اس نے نہ معلوم کونسا بندر دیکھ لیا ہے یہی کہا جائے گا کہ یہ شخص بادشاہ کو جانتا ہی نہیں، اسی طرح کہا جائے گا کہ خدا کا قائل ہونا وہ معتبر ہے جو اس کے صفات کے ساتھ ہو۔

مسلمان کی خاص علامت یہی ہے کہ وہ شرک سے محفوظ ہیں گو گنا کرتے ہیں مگر افسوس اب یہ بھی ہم سے چھوٹ گیا، مسلمان ہیں چیچک میں ستلاء کی پوجا، دبا میں کھلگا دینا، کوئی نرسو کے پیچھے پڑا ہے تو کوئی شیخ صدو کے، اس لئے اس آیت میں شرک کے بطلان کے دلائل بیان فرماتا ہے۔ ''قُلْ مَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ'' آسمان وزمین سے روزی کون دیتا ہے آسمان سے اس طرح کون بارش برساتا ہے، آفتاب مہتاب کی گرمی، سردی معتدل رکھنا اولوں کے برسنے اور دیگر مصائب سے محفوظ رکھنا، زمین سے اس طرح کے نباتات اُگانا، پھل پھول لانا، یہ سب کس کے کام ہیں۔

اب تک جسم سے استدلال تھا اب یہاں روح سے استدلال ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ۔
(پ ۱۱۔ رکوع ۴۔ سورۂ یونس)۔

آپ کہیئے کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ امر حق کا راستہ بتلایا ہو۔

ہر چیز انسان سے لے کر چرند، پرند بلکہ نباتات تک اس سے فیض یاب ہیں، دنیوی اموراور معاش کی اصلاح، مضرات کے دفع کی تدبیروہی سمجھاتا ہے، ہزار ہا علوم اس نے سکھائے حتیٰ کہ نہایت آبدار کپڑا سامکڑی بنتی ہے، مکھیاں شہد نکالتے ہیں، انسان کیسے کلیں ایجاد کرتا ہے اور کیا کیا بناتا ہے، اسی طرح امور آخرت اور خداپرستی کی رہنمائی بھی اسی کا کام ہے، اس کے طریقے مختلف ہیں، ساری کائنات کو دلائل بنایا، پیغمبروں کو بھیجا، کتابیں اتاریں۔ کسی کو تائید غیبی سے ہدایت کیا۔

**حکایت** :- ایک بڈھا عمر بھر بت کو پوجا کرتا تھا، ایک وقت کوئی مشکل کام پڑ گیا تو اس بت کے سامنے بہت سر رگڑا، نذر چڑھایا، کوئی فائدہ نہ ہوا، اس سے مایوس ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہوا۔ آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر دل میں عمر بھر کی غفلت پر نادم ہو کر بہت شرمندگی سے سر جھکایا ہوا عرض کیا، اے بے نیاز، اے اکیلے خدا میری التجا قبول کر، ساتھ ہی ادھر سے آواز آئی اور اس نے سُنا ''لَبَّيْكَ يَـاعَبْـدِيْ اُطْـلُـبْ مَـاتُرِيْدُ'' ''حاضر ہوں میرے بندے۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔'' فرشتوں نے کہا اے ہمارے معبود بڑے تعجب کی بات ہے، اس نے مدتوں بت کو پکارا، اس کو کوئی جواب نہ ملا، ایک بار تجھ کو پکارا، فوراً لبیک فرمایا حکم ہوا، میرے فرشتوں اگر بت کی طرح ہم بھی جواب نہ دیتے تو صنم اور صمد میں کیا فرق ہوتا۔

صاحبو! مشرکوں کو کیا کہیں، یہاں دل کی مسجد میں بھی تو سینکڑوں بت بیٹھے ہوئے ہیں کہیں نفس، کہیں برادری، کہیں قوم، کہیں روپیہ، ہائے ہائے کیا کیا بلا، بدتر دل میں بھرا ہوا ہے سب کی تابعداری ہو رہی ہے، میں نہیں کہتا، خدا فرماتا ہے۔

مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ ۔

مفہوم: جس نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنالیا۔

ہائے افسوس خدا کو معبود کہیں، اور خواہشات کی پوجا کریں۔

عَاكِفٌ دَهراً عَلٰى اَصُنَامِهٖ۔

وہ اپنے (باطل) بتوں کو ایک زمانہ تک لازم کرلیا (اوران کو پوجتا رہا)۔

يَنُهَرُالكُفَّارُ مِنُ اِسُلَامِهٖ۔

(جب وہ اسلام لے آیا تو) کفار اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کو جھڑکتے تھے۔

كَمُ يُنَادِیُ وَهُوَ لَا يُصُغِیُ التَّنَادِ
وَا فُوَادِیُ، وَا فُوَادِیُ، وَا فُوَادِ

ہائے اے دل، افسوس اے دل میرے پیارے دل میں تجھے کب تک پکاروں تو میری سنتا ہی نہیں وہ دن کب آئیں گے کہ جب تو پلٹی کھائے گا سب کو چھوڑ کر ایک کا ہو جائے گا۔

اے بھائی!

اِتَّخِذَ قَلُبًا سِوَاهُ فَهُوَمَا مَعُبُوُدُهٗ اِلَّاهَوَاهُ۔

کیا کروں یہ دل تو اب کام کا نہ رہا اس نے تو خدا کو چھوڑ کر خواہشات نفسانی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اس دل کو تو آگ لگا دوں۔

صاحبو! کس کس کی عبادت کروگے، سب کو راضی کرنا مشکل ہے، یہ بھی شرک ہے، سب کو چھوڑو، ایک کو لو۔ صاحبو! خدا کے ساتھ یہ علاقہ کیوں نہ ہونا چاہئے لوگوں نے مخلوق کے ساتھ یہ علاقہ پیدا کرلیا ہے، آخر مجنوں کا قصہ سب کو معلوم ہے، مورخوں نے لکھا ہے کہ لیلیٰ سانولی تھی، ایسی کچھ اچھی نہ تھی لیکن دل ہے جہاں آگیا۔

مولانا فرماتے ہیں :۔

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی
کز تو مجنوں شد پریشان وغوی

بادشاہ وقت نے جب لیلیٰ کی تعریف سنی تو حکم دیا کہ لیلیٰ کو بلالاؤ، وہ حاضر کی گئی دیکھا تو ایک سانولی سی عورت ہے کہا مَاشَآءَ اللّٰہ آپ ہیں جنھوں نے مجنوں کو پریشان کرر کھا ہے۔

از دگر خوباں تو افزوں نیستی
گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

ترجمہ :- بادشاہ نے کہااوروں سے زیادہ تو کوئی بات تجھ میں نہیں معلوم ہوتی۔ لیلیٰ نے کہا، چپ رہو بادشاہ، تم مجنوں تھوڑے ہی ہو۔

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا
ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

ترجمہ :- اگرآپ کے پاس مجنوں کی آنکھ ہوتی تواس وقت آپ کی نظروں میں دونوں عالم بےقدر ہوجاتے۔

تو صاحبو! جس کا حُسن ادنیٰ درجہ کا ہے، اس کی محبت میں تو عاشق کی یہ حالت ہوجائے کہ دونوں عالم اس کی نظروں میں بےقدر ہوجائیں اور ہم خدا کی محبت میں اتنی بھی حالت نہ کردکھائیں افسوس ہے۔

عشقِ مولیٰ کئے کم از لیلیٰ بود
گوئی گشتی بہر او اولیٰ بود

عشق کامدار حُسن پر ہے، کہاں خدا کا حُسن اور کہاں لیلیٰ کا حسن۔ خدا کے

ساتھ وہ علاقہ اور تعلق نہ ہو جو مجنوں نے لیلیٰ کے ساتھ کر دکھایا، افسوس ہے۔

اپنی سب خواہشوں کو آگ لگاؤ اور ایک کی خواہش پر چلو۔

آپ اپنی خواہش پر چل کر مشکل میں پڑ جاتے ہیں، خدا کی خواہش پر چلو پھر دیکھو کیسی آسانی ہے۔

سب کو معلوم ہے کہ پانی نہ ہو اور احتلام ہو جائے تو تیمّم کرے، اگر کوئی سفر میں ہو پانی نہ ہو، معلوم ہے کہ پانی نہیں ہے اور نہ صبح نماز کے لئے پانی ملے گا۔ پھر کسی نے اپنی بیوی سے جماع کیا قصداً ناپاک ہوا، ایسے موقع پر خدا کو حق تھا کہ کہتا اتفاقی ناپاک ہوتے تو تم کو تیمّم تھا، قصداً ناپاک ہونے پر تم کو اجازت نہیں، دنیا کے حاکم یہی کہتے، عقل بھی یہی کہتی، مگر خدا نے یہ تشدد پسند نہ کیا۔ حکم ہوتا ہے اچھا کیا، جا تیمم کر لے۔ ہائے یہ شفقت پھر اس کو چھوڑ کر اوروں کے پیچھے پڑیں۔

بچہ نے سانپ کو دیکھا کہ چمکتا ہوا منقش ہے، اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر اس کو پکڑنے کیلئے لپکا، باپ روکتا ہے، وہ نہیں مانتا، جب نہ مانا تو باپ نے بچہ کو زبردستی گھسیٹا، اب فرمائیے یہ شفقت ہے یا بے رحمی۔ بچہ کی رائے پر چھوڑتا تو کیا نتیجہ ہوتا۔ ہائے اس باپ کو تو آپ مہربان کہیں، ایسا ہی خدا آپ کو ضرر دینے والی چیز سے روکے تو اس کو نامہربان سمجھتے ہو، اور اپنی خواہش پر چل رہے ہو، بچہ اور سانپ کا حال ہوگا۔

اب کوئی صاحب فرمائیں گے صاحب! ہمارے مرضی کے موافق نہ چلیں تو ہمارا حرج ہے ٹھہرو صاحبو! سوچ کر کہو، جی چاہا، ڈاڑھی ذرا صفاچٹ کر دی تاکہ گورے معلوم ہوں گے، حسین معلوم ہوں گے، یہ سب خیال ہے۔ نہ گورے نہ حسین، ٹرٹ صورت، نہ کچھ حرج ہے، اگر خیال کے خلاف ہونے کا نام حرج ہے

توڈا کو بھی یہی کہے گا کہ ڈاکہ سے مجھ کو روکا جارہا ہے، اس میں میرا حرج ہے، اب رہا صورت اچھی نہ رہے گی، یہ آپ کا خیال ہے، ٹھنڈی کے نیچے مٹھی بھرڈاڑھی رکھ کر باقی کترو ادیں تو خوبصورت ہوگی، لیکن مانا خوبصورت نہیں معلوم ہوتی۔لیکن کس کی نظر میں خوبصورت نہیں معلوم ہوتی، چند احمقوں کی نظر میں، جس سے اصل تعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ اس کوتو خوبصورت معلوم ہوتی ہے، اگر کسی عورت سے عشق ہوجائے اور وہ کہے کہ تم ڈاڑھی نہ منڈوایا کرو مجھے ڈاڑی اچھی معلوم ہوتی ہے، اگر سچے عاشق ہیں تو اسی دن سے ڈاڑھی منڈوانا چھوڑ دوگے۔اب دوست احباب کہتے ہیں آیئے مولوی صاحب، آیئے ملا صاحب، وہ عاشق بجائے برا ماننے کے یہ کہتے ہیں، میاں تم کیا جانو اس ڈاڑھی کی حقیقت کو، تمہیں اچھی نہ معلوم ہوتی ہوتو کیا ہوا، اُسے تو اچھی معلوم ہوتی ہے جس پر میں جان تک فدا کرنے کیلئے تیار ہوں، مجھے اب کسی سے کیا مطلب۔

ہائے ! ایک عورت کی محبت میں تو یہ حالت ہو اور خدا کی محبت میں کچھ نہ ہو تعجب ہے۔ہائے ہائے، خدا کے ساتھ ہمارا یہ طریقہ کیوں نہیں ہوتا۔

صاحبو! اصل بات یہ ہے کہ محبت نہیں ہے اگر محبت ہوتی تو دل کے سارے خواہشات کو آگ لگا کر اسی کی خواہش پر چلتے۔ یہ دوسری قسم شرک کی یوں ٹوٹتی ہے۔

- اب ایک اور قسم رہی شرک کی :-

کسی چیز میں کوئی خاص اثر نہیں ہے بلکہ اصل اثر دینے والا خدا ہے، کونین میں بخار دفع کرنے کی قدرت نہیں ہے، قدرت تو خدا کو ہے، آگ میں جلانے کی

قدرت نہیں ہے، خدا جلاتا ہے، آپ فرمائیں گے مشاہدے کے خلاف ہے، خلاف نہیں ہے سنو۔ اگر آگ میں قدرت ہے تو ابراہیم علیہ السلام کو کیوں نہ جلائی۔ چھری میں قدرت ہے تو اسماعیل علیہ السلام کا حلق کیوں نہ کاٹی۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند　　　بامَن و تو مردہ باحق زندہ اند

خاک، ہوا، پانی اور آگ سب بندہ اور تابعدار ہیں اللہ کے۔ میرے اور تمہارے نزدیک یہ چاروں عنصر مردہ معلوم ہوتے ہیں لیکن خدا کے پاس زندہ ہیں۔ وہ جو حکم دے اسکے بجالانے کیلئے تیار ہیں۔ اگر زندہ نہیں ہیں تو "یٰـنَـارُ كُوۡنِیۡ". (پ ۱۷۔ رکوع ۵۔ سورۂ انبیاء) کا خطاب کس کو ہوا۔ پھر یہ آگ، یہ کونین ایسے ہیں جیسے ریل کی سُرخ یا سبز جھنڈی، بے سمجھ کہتا ہے کہ ریل چلتی اور رکتی اسی سے ہے، سمجھ دار کہتا ہے یہ ایک علامت ہے، ایسا ہی آگ علامت ہے جلانے کی، ہر وقت تم کو دِقت پڑتی، چولھے پر کھانا چڑھا کر آگ نیچے رکھ کر دُعا کرتے تب ہم قدرت سے کبھی پکا دیتے۔ کبھی نہیں، تو اس میں ہر وقت کی دِقّت تھی، تمہاری راحت کے واسطے ہمیشہ پکا دیتے ہیں، ایسا ہی ہر چیز کو سمجھئے۔ جب اس کی مشق ہو جائے تو عجیب آرام ہو جاتا ہے۔

## ● شرک کی ایک قسم ریا ہے :-

کسی کے دکھاوے کو عبادت کریں۔ عبادت خدا کی لیکن اس میں نیت اور کی ہو، یہ بھی شرک ہے، اس لئے جو کچھ کریں خاص خدا کے لئے کریں۔

# قرآن شریف پڑھو

## (تلاوت قرآن کریم کی ترغیب)

**حکایت** :- ایک عورت حضرت جنیدؒ سے عرض کی میرا خاوند، دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے آپ نے فرمایا اگر تمہارا خاوند احکام زوجین کا خلاف کرے تو کچھ کہہ سکتا ہوں اس میں میں کیا کہوں، جب کہ شریعت نے اجازت دی ہے، اس عورت نے کہا جنیدؒ اگر غیر مردوں کو عورت کا صورت دکھانا جائز ہوتا تو میں اپنا چہرہ کھول کر تم کو دکھاتی کہ جس کے نکاح میں مجھ جیسی عورت ہو، اس کو دوسری بیوی کرنا کیا درست ہے۔

یہ سُن کر حضرت جنیدؒ بیہوش ہوگئے، جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے پوچھا حضرت اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ بیہوش ہوگئے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی فرماتا ہے کہ دنیا میں اگر کسی کو میرا دیکھنا جائز ہوتا تو میں بھی بے نقاب ہوکر دکھاتا تو معلوم ہوتا کہ مجھ جیسا رب ہوتے ہوئے اس کو کیا غیر سے دل لگانا درست ہے۔

بتوں سے، خواہشات سے، غیر کو موثر سمجھنے سے، ریا سے مخلوق پرستی نہیں چاہئے۔ اگر کل خدا کے سامنے محبت کا اظہار کرے اور اس کا صلہ چاہے تو حکم ہوگا۔

ربط غیروں سے ہے اور ہم سے وفا چاہتے ہو
خود ہی سونچو کیا کرتے ہو کیا چاہتے ہو

انسان ہم سے تعلق پیدا کرتا ہی نہیں۔

اِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَا بِجَانِبِهٖ ۔ (پ ۱۵۔ رکوع ۹۔ سورۂ بنی اسرائیل) جب دولت و راحت ملتی ہے بجائے شکر گزاری کرنے اور ہم سے تعلق بڑھانے کے اکڑنے لگتا ہے ہم سے منہ موڑا ہوا ہم سے دُور دُور رہتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَؤُسًا ٥ (پ ۱۵۔ رکوع ۹۔ سورۂ بنی اسرائیل)۔
اور جب مصیبت آتی ہے بجائے صبر کے نا امید ہو جاتا ہے، نہ نعمتیں اس کو ہمارا تعلق پیدا کرنے دیتی ہیں نہ مصیبت۔

قُلۡ كُلٌّ يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ط (پ ۱۵۔ رکوع ۹۔ سورۂ بنی اسرائیل)
آپ فرما دیجئے ہر ایک اپنے اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے کوئی خدا سے منہ موڑ کر اس کا علاقہ توڑ کر، زمین کا بندہ، روپیہ کا بندہ، بن جاتا ہے۔ کوئی اللہ کا بندہ، اللہ ہی اللہ دل میں بسا لیتا ہے، کوئی دل سدھارے، کوئی دل بگاڑے، جو چاہے کرے۔

فَرَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ هُوَ اَهۡدٰى سَبِيۡلًا ٥ ع (پ ۱۵۔ رکوع ۹۔ سورۂ بنی اسرائیل)۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے مرنے کے بعد معلوم ہوگا۔

صاحبو! ضروری تمہید کے بعد مسجد کی فضیلت اور اس کے بعد قلب کی صفائی سے متعلق تفصیل سے عرض کر چکا، اب اذان سے متعلق کچھ آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں، سنئے :-

## ● اذاں و اقامت شروع ہونے کی تحقیق

**حدیث** :- عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو اذان کے متعلق فکر لاحق ہوئی ، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے خیال کیا، چند لوگوں کو مامور کردیں کہ وہ اٹھیں اور ٹیلوں پر چڑھ جائیں اور لوگوں کو نماز کیلئے اشارہ کر کے بلائیں۔ (عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک شخص دو سبز کپڑے پہنا ہوا مسجد کے حصار کی دیوار پر کھڑا ہوا کہہ رہا ہے:-

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ.
اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ.
اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہِ.
حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ.
حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ.
اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ. لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ.

(کچھ دیر کے بعد وہ شخص) پھر کھڑا ہوا اور کہا (نماز کیلئے تکبیر میں بھی قَدْقَامَتِ الصَّلٰوۃُ ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے اضافہ کے ساتھ) وہی الفاظ کہو (جو اذاں میں کہے گئے ہیں) یہ کہہ کر تکبیر اس طرح کہنے لگا۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ.
اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ.
اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہِ.
حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ.
حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ.
قَدْقَامَتِ الصَّلٰوۃُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ.
اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ. لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ.

(عبداللہ بن زید کہتے ہیں کہ) میں نے اپنا خواب رسول اللہ ﷺ کو سنایا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اور اس کو بلال (رضی اللہ عنہ) کو سکھا دو، میں نے ایسا ہی کیا (چونکہ یہ نئی چیز تھی اس لئے) لوگ (یہ سُن کر) دوڑتے ہوئے آئے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ (یہ کیا ہے) یہاں تک کہ بلال رضی اللہ عنہ اذاں سے فارغ ہوگئے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے اور کہا کہ اگر اس خواب کے بیان کرنے میں عبداللہ بن زید (رضی اللہ عنہ) سبقت نہ کرتے تو میں حضور ﷺ کو اطلاع دیتا کہ مجھے بھی ایسا ہی خواب دکھائی دیا جو عبداللہ بن زید (رضی اللہ عنہ) کو دکھائی دیا (اس کی روایت ابوالشیخ نے کی ہے اور ابن ماجہ، ابوداؤد اور امام احمد نے بھی اسی طرح روایت کی ہے اور ترمذی اور ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ترمذی نے بخاری سے اس کو علل میں نقل کیا ہے۔

**حدیث** :- ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ کو معراج میں آسمان کی سیر کرائی گئی تو اس وقت آپ پر اذان (کے الفاظ) کی وحی آئی تھی، حضور ﷺ معراج ہی سے اذان کے الفاظ لے کر اترے اور آپ کو اذان جبرئیل علیہ السلام نے سکھائی (اس کی روایت طبرانی نے اوسط میں کی ہے)۔

**فائدہ** :- ہمارے علماء نے کہا ہے کہ طبرانی کی اس روایت میں جس معراج کا ذکر آیا ہے وہ مشہور معراج نہیں، یہ معراج جس میں اذان کے الفاظ سکھائے گئے ہیں جسمانی نہیں بلکہ روحانی تھی، کیونکہ حضور ﷺ کو جسمانی معراج ایک ہی ہوئی ہے البتہ روحانی معراج متعدد ہوئے ہیں، یا یہ حضور ﷺ کا خواب تھا جو معراج کے حکم

میں ہے اور انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے اور یہ خواب بھی ایک روحانی معراج تھی جس میں حضور ﷺ کو اذان کے الفاظ سکھائے گئے ۔صحابہ رضی اللہ عنہم کو پہلے خواب میں اذان سکھائی گئی ، اور بعد میں حضور ﷺ کو خواب میں اذان کے بارے میں وحی کی گئی، اس سے مقصود یہ تھا کہ اذان کے بارے میں اس موافقت کی وجہ سے صحابۂ کرام کو خوشی حاصل ہو، اور یہ ان سے منقول ہو، ورنہ درحقیقت اذاں کا حکم ایک شرعی حکم ہے جو نبی ﷺ کے خواب کے سوا دوسروں کے خواب سے ثابت نہیں ہوسکتا۔

صاحبو! اب میں آپ سے نماز کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

## ● اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ جگہ جگہ اپنی نعمتوں کا ذکر کر کے احسان جتلایا ہے اور فرمایا ہے بندے! کبھی تو نے یہ بھی سونچا کہ ہمارے تجھ پر کیا کیا احسانات ہیں؟

تُو معدوم تھا ہم نے تجھ کو موجود کیا۔

ہزاروں نعمتوں سے تیرے لئے زمین کے دستر خوان کو آراستہ کیا۔

تو بے سمجھ تھا تجھ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کونسی چیز تیری روح کو ضرر دینے والی ہے ہم نے اس کو تجھ پر حرام کردیا تا کہ زبردستی تجھ کو اس ضرر سے بچائیں۔

تیرے ماں باپ بھی تجھ پر وہ مہربانی اور شفقت نہیں کرسکتے جو ہم نے تجھ پر کی ہے، ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ تو چھوٹا سا بے سمجھ بچہ تھا اور تیری ماں سوجاتی تھی ، اگر کوئی مُوذی جانور تجھ کو ضرر پہنچانا چاہے تو نہ تُو اس کو دفع کرسکتا تھا اور نہ ہی تیری

ماں کو اس کی کچھ خبر ہوتی، ہم ہی تیری حفاظت کرتے تھے، اب بھی موذیات سے تُو کیا خاک بچ سکتا ہے، ہماری نگہبانی نے تجھ کو آرام میں رکھا ہے، ایک انسان ہے سینکڑوں اس کے دشمن ہیں، سانپ، بچھو، شیر، جن اور خود انسان، انسان کا دشمن ہے، بندے تو اکیلا کس کس سے بچتا، اگر ہماری مہربانی اور حفاظت نہ ہوتی تو تو کس کس سے جان بچاتا۔

اَبر اُٹھا کر پانی ہم برساتے ہیں یا تُو، بیج تو بوتا ہے، کھیت ہم ہرے بھرے کرتے ہیں یا تُو۔ تیرے دکھ درد میں ہم کام آتے ہیں، تیری مصیبت میں ہم رحمت سے پیش آتے ہیں، بغیر سوال کے ہم تیری ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔

بندے! سچ کہنا تو کیسی کیسی نافرمانیاں کرتا ہے، ہم سب سے چشم پوشی کر کے ہر وقت تیرے پر رحم کی نظر رکھتے ہیں۔

آخرت میں تیرے واسطے ان نعمتوں کو تیار کر رکھا ہوں، جن کو آنکھ دیکھی ہے اور نہ کان نے سنا ہے۔

یہ نمونہ ہے ہمارے بڑے بڑے احسانات کا، کیا ان احسانات کا یہی بدلہ ہے جو تو ہمارے ساتھ پیش آرہا ہے اگر کسی کے ایک دو حق ہوں تو اس کو تُو پورا کرتا ہے اور وہ پورا کرا کے چھوڑتا ہے، ہمارے سینکڑوں حق تجھ پر ہیں مگر کسی حق کا تو کچھ خیال نہ کیا، ماں باپ کا اولاد پر حق ہے کہ وجود انھیں کے سبب ملا ہے، اس لحاظ سے بھی ہم ہی مستحق ہیں کہ اصلی وجود ہم نے دیا ہے، استاد کا حق شاگرد پر ہے کہ جہل سے نکالا، اس لحاظ سے بھی ہم ہی مستحق ہیں۔ ''عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ'' (ہم نے انسان کو وہ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا)۔ مرشد کا حق مرید پر ہے کہ

باعث ہدایت ہوا، اس لحاظ سے بھی ہم ہی مستحق ہیں، اگر ہم ہدایت نہ دیتے تو کیا ہدایت پاتا، مالک کا حق غلام پر، شہنشاہ کا حق رعایا پر، اور معشوق کا حق عاشق پر ہوتا ہے اس لحاظ سے بھی ہم ہی مالک ہیں، ہم ہی شہنشاہ ہیں اور ہم ہی محبت کرنے کے لائق ہیں، بندے پھر تو ہمارے کونسے حق کو بھولے گا، ایک دن ہم ہی سے کام پڑے گا، اس دن ہمارے دربار میں ہاتھ باندھے ہوئے غلامی کا اظہار کرے گا۔ اس وقت کچھ نفع نہیں، یہاں غلامی کا اظہار کر، یہ کام آنے والا ہے۔

**حکایت** :- حسن بصری رضی اللہ عنہ فرمائے ہیں : اگر فردا یک نفس از دیدارِ حق محروم مانم در آخرت چنداں بگریم و نالم کہ ہمہ اہل بہشت را برمن رحم آید۔ (اگر کل قیامت میں ایک لحظہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم رہوں تو اتنا روؤں گا کہ تمام بہشتیوں کو مجھ پر رحم آئیگا)۔

رابعہ رضی اللہ عنہا گفت ایں سخن نکوست، اما اگر در دنیا چناں است کہ یک نَفَس از ذکرِ حق تعالیٰ غافل می ماند ہماں ماتم وگریہ وزاری پدید آید، نشان آنست کہ درآخرت نیز چنان خواہد بود واِلّا نہ چنانست۔ (رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا فرمائیں یہ جو حسن بصریؒ فرمائے ہیں بہت اچھی بات ہے، آخرت میں ایسا اس وقت ہوگا کہ دنیا میں بھی جب اللہ کی یاد سے ایک لحظہ غافل رہے تو ایسے ہی گریہ وزاری اس سے ظاہر ہو، جیسے آخرت میں دیدارِ حق نہ ہونے سے ظاہر ہوگی، ورنہ باتیں ہی باتیں ہیں۔

غرض بندے ہمارے تجھ پر سینکڑوں حق ہیں، کوئی نہ کوئی حق ادا کر، دیکھ وقت جاتا ہے۔ کب تک ہاتھ پر ہاتھ لئے بیٹھا رہے گا، کچھ تو بن کر آ۔ عاشق بن،

اگر عاشق نہ بنا تو طالب بن، طالب نہ بنا تو غلام بن، غرض کچھ نہ کچھ بن کر چل، غلام کیسے بنا کرتے ہیں، غلامی کا کیسے اظہار کرتے ہیں، اس کی بھی تجھ کو خبر نہیں، یہ بھی ہمارا احسان ہے، آ ہم سکھاتے ہیں مسجد بھی کبھی تو نے دیکھی ہے؟

**حکایت** :- کسی کا بیل چھوٹ کر مسجد میں گھس گیا، لوگوں نے ملامت کی، کہنے لگا میاں بیل جانور بے عقل تھا مسجد میں چلا آیا، کبھی ہم کو بھی دیکھے ہو کہ مسجد میں آئے ہیں۔

اگر بے عقل ہی مسجد میں آیا کرتے ہیں اور سمجھ دار مسجد میں نہیں آتے تو بس تم غلامی کا اظہار کرنا سیکھ چکے، غلامی سیکھنا ہو تو ذرا بے عقل بن کر مسجد میں آؤ، پھر دیکھوں اس کے غلام کیسے غلامی کا اظہار کرتے ہیں، سچ مچ عقل بالائے طاق رکھ کر اللہ کے سامنے کیا کیا کرتے ہیں۔

اگر کھانے پینے، جورو بچوں میں لگ کر ہم کو بھول گئے ہو، خیر ہم اس پر بھی چشم پوشی کرتے ہیں اگر کوئی یاد دلانے والا یاد دلائے جب تو تم ہم کو یاد کرو، ورنہ ایک دن ایسے ہی کھاتے پیتے اپنے اپنے عورتوں میں خوش ہوں گے کہ صورِ قیامت پھونکا جائے گا اس وقت سب ہم کو یاد کریں گے، مگر اس وقت کی یاد بے فائدہ ہے، اسی طرح اب جب تم کھانے پینے بیوی بچوں میں ہوں گے کہ موذن سوتوں کو جگائے گا، بُھولوں کو یاد دلائے گا اس وقت ہماری یہ یاد نفع دے گی، اس لئے پہلے موذن کہتا ہے ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ ''مسلمانو تم کھاتے پیتے، جورو بچے معاملات، جن جن چیزوں میں پھنسے ہو، ان سب سے خدائے تعالیٰ معظم ہے بڑا ہے، یہ لفظ ہمارے سچے غلاموں پر وہ اثر ڈال رہا ہے سارے تعلقات ٹوٹ رہے ہیں، ہر چیز خدا کی عظمت کے سامنے حقیر نظر آ رہی ہے، بے ساختہ اِدھر موذن، اُدھر سننے والوں کے

منھ سے نکل رہا ہے۔ ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' بارِالٰہا! اب تک میں دھوکہ میں تھا، کھانے پینے، جورو بچوں کو ہی مقصود اصلی سمجھا ہوا تھا، اب تیری عظمت نے سب کو نظروں سے گرادیا معبود بھی تُو ہی ہے، مقصود بھی تُو ہی ہے، دل لگانے کے قابل تُو ہی ہے، اب تک جو کٹی غفلت میں کٹی، یہ غفلت پہلے ہی سے اٹھادینا تھا۔ غلام اپنی بدبختی سے آقا کو چھوڑ کر بھاگتا ہے تو آقا اس کو زبردستی پکڑ کر بلاتا ہے اب تک آپ مجھ کو کیوں نہیں پکڑ منگوائے، کیوں مجھ کو اپنی مجلس سے نکال دیئے تھے، کیوں مجھ کو شیطان کے ہاتھ میں دیدیئے تھے خیر جو ہوا سو ہوا، حاضر ہوں، بتاؤ کیا خدمت ہے کہ وہ کروں، کوئی مستی میں کہتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کا چرواہا کہہ رہا تھا: ؎

| | |
|---|---|
| ہے کہاں تو جلوہ گر بتلا مجھے | تیری دُوری نے دیا تڑپا مجھے |
| ہے بتا کس جا تو اے جانِ جہاں | تا کروں قربان تیری خدمت میں جاں |
| رات دن میں تیری خدمت میں رہوں | ایک دم غمگیں تجھے ہونے نہ دوں |
| خوب سا مَل مَل کے نہلاؤں تجھے | اور اچھے کپڑے پہناؤں تجھے |
| تیل ڈالوں سر میں اور کنگھی کروں | اچکنیں تیرے لئے اچھے سیوں |
| دھونڈ کپڑوں کی تیرے ماروں جوئیں | اور کھلاؤں ہر طرح کی نعمتیں |
| ہو اگر بیمار تُو اے کردگار | جان ودل سے ہوں تیرا میں غمگسار |
| پاؤں دابوں اور چوموں ہاتھ کو | اور کروں سونے کو بستر رات کو |
| اے میرے رب جاں میری تجھ پر فدا | بال بچے اور گھر واروں خدا |
| روغنی روٹی پکا کر اور کھیر | اور بہت لسی، دہی، مسکہ، پنیر |
| لاؤں میں تیار کر آگے تیرے | روز ہو کھانا تیرا گھر سے میر |

اے خدا تجھ پر ہو قرباں میری جاں
اور میرے سب بکریاں اور خانماں

غرض اس طرح کے خیالات سوجھ رہے تھے کہ مؤذن نے کہا ''اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' یوں بے تُک بغیر کسی رہبر کے چلنے سے ایسے ہی خیالات سوجھتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے راہبر کے پیچھے ہوکر ہمارے پاس آؤ۔

ایسے میں مؤذن نے رہبر کی طرف سے اعلان شائع کیا کہ خدا کے دربار میں دودھ، پنیر، پاؤں دابنے کی ضرورت نہیں ''حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ'' ان کو جو خدمت پسند ہے، وہ نماز ہے۔ نماز ہی سے ہمارے سب احسانات کا شکریہ ادا ہوجاتا ہے، اس لئے نماز کو آؤ، نماز پڑھ کر خدا کی خدمت کرو، یہی خدمت خدا کو پسند ہے، مگر یہ دربار، کریم کا دربار ہے، خالی خدمت کیلئے نہیں بلاتے ہیں ''حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ'' خدمت کرکے نجات وکامیابی کا، معشوق کی خوشی کا خلعت تیار ہے آؤ، لے جاؤ۔ چلنے کو ہی تھا کہ پھر شیطان نے وسوسہ ڈالا، کہاں تو، کہاں وہ معشوق، کہاں تو، کہاں وہ شہنشاہ۔ پھر مؤذن نے دوبارہ ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہہ کر اس وسوسہ کو مٹادیا، یہ غلامی سیکھنے کے لئے اب مسجد کو اپنے دل کو یہ سمجھاتے چلا۔

**حکایت** :- بازار مصر میں جب یوسف علیہ السلام بک رہے تھے، کروڑہا روپئے قیمت اٹھ رہی تھی، ایک بوڑھی تاگے کے چند کھنڈکیاں لے کر چلی، لوگوں نے کہا تو کس شمار میں ہے، وہاں کروڑ پتی کی دال نہیں گلتی ہے، اس نے کہا کہ یوسف علیہ السلام ان داموں کو نہ ملیں مگر یوسفؑ کے خریداروں میں میرا نام تو لگ جائے گا، ایسا ہی

اے دل اگر خدا کے نہ عاشق بنے، نہ طالب، نہ سچے غلام۔ تو خیر غلاموں کی فہرست میں نام تو لگ جائے گا، اتنا بھی ہو گیا تو ز ہے قسمت، اب مسجد میں آ کر دیکھتا ہے کہ غلام غلامی کا اظہار کر رہے ہیں، ظاہرہ جسم تو مخلوق سے ڈھانپے ہیں، باطن کی برائی خالق سے نہیں ڈھپ سکتی، ندامت، پشیمانی کا پردہ چھوڑ دیا ہے، یہ ندامت سرِّ باطنی ہے اور وہ لباس ستر ظاہری۔

تکبیر ہو رہی ہے، ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ ایک بہت بڑے شہنشاہ کی آمد آمد ہے، نقیب پکار رہا ہے، اتنے میں درباری وکیل (امام) آگے بڑھ کر القاب شہنشاہی پکارا ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' لو مبارک ہو، وہ شہنشاہ تشریف لائے، یہ سنتے ہی سب کے منہ سے وہی القاب نکل رہے ہیں۔ ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ''۔

''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کے ساتھ ہی ساتھ ہاتھ اٹھ رہے ہیں، میرے مولیٰ تیری بڑی شان ہے، کان کو ہاتھ لگائے جا رہے ہیں، دو عالم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں، یا اس سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ ایسی بڑی شان والا کہیں سنا نہیں، موجود ہونا کیسا، یا اس واسطے ہاتھ اٹھا رہے ہیں کہ سن لیا ہے کہ شہنشاہ کی تشریف آوری ہو چکی ہے ڈوبتا (شخص) ہاتھ مارتا، اونچے کرتا ہے، میں بھی گناہوں کے دریا میں ڈوب رہا ہوں، میرے مولا! میرا ہاتھ پکڑ لے، گناہوں کے دریا میں ڈوبنے مت دے۔ ہاتھ باندھ کر نیچے نگاہ کئے، نہایت ادب سے کھڑے ہوئے ہیں، غلاموں کو آپ دیکھتے ہیں، غلام کیا بلکہ بھاگے ہوئے غلاموں کی طرح سر جھکائے ہوئے کھڑے ہیں، اس وقت کچھ ایسی فضیحت و رسوائی ہو رہی ہے کہ سر اٹھائے نہیں اٹھ رہا ہے، آنکھیں ہیبت سے نیچے کئے ہیں، چہرہ پر جلال و خوف کے آثار نمایاں ہیں،

پھر دیکھا سب کا منہ ایک ہی طرف ہے، اس سے یہ بتاتے ہیں کہ میرے مولا! آپ کو پھوٹ واختلاف سے نفرت ہے، اس لئے ہم سب اتفاق بتانے ایک ہی طرف منہ کئے کھڑے ہیں، ظاہرہ میں تو ایک ہی طرف منہ کر کے اتفاق کا اظہار کر رہے ہیں مگر دل چوطرف بھاگ رہا ہے، ہاتھ باندھ کر یہ بتاتے ہیں کہ میاں دل بھاگ رہا ہے اس کو پکڑ کر آپ کی طرف لا رہا ہوں اب آپ ہی اس کو سنبھالو، قیامت کا پورا نمونہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا، قیام سے قیامِ قیامت یاد آ گیا، ایسا ہی خدائے تعالیٰ برآمد ہوگا، سب ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑے ہوں گے ان آنکھوں سے تو یہ دیکھ رہا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے موافق باطن کی آنکھ سے یہ دیکھ رہا ہے کہ اس نمازی کے سر سے لے کر آسمان تک رحمتِ الٰہی کی گھٹا چھائی ہوئی ہے نیکیاں مینھ کی طرح برس رہی ہیں، فرشتے اس نمازی کے پیروں سے آسمان تک اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے ہیں، اس کو تبرک سمجھ کر اس کی زیارت کر رہے ہیں، بادشاہوں کے سامنے عرض معروض کرنے کے پہلے سلطانی عظمت ظاہر کرنے کیلئے چند القاب ذکر کرتے ہیں، ثناء بمنزلۂ القابِ شاہی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر کی معراج کی وقت بھی شیطان موجود تھا جبرئیل علیہ السلام ہانکے تھے، کہیں میری معراج (نماز) میں بھی شیطان حارج نہ ہو، اس لئے ''اَعُوذُ'' پڑھ کر خدا کی پناہ میں آ رہا ہوں۔

یا یوں سمجھئے کہ دربارِ الٰہی بھرا ہوا ہے، یہ بھی دربار میں بلائے گئے ہیں، ہاتھ باندھ کر غلاموں کی طرح حاضر ہیں، کچھ تو شیطان دشمن کی شکایت ہو رہی ہے

کہ میاں وہ آپ سے اب تک دور رکھا، اور کچھ اپنی بے بسی کا اظہار ہورہا ہے، اب عرض معروض کرنے کا وقت آگیا، اب عرضی گذرانتا ہے، بادشاہوں کے عرضی کے القاب ہوتے ہیں، یہاں عرضی کے القاب یہ کہہ رہا ہے۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" میں کچھ نہیں ہوں، آپ ہی حمد کے لائق ہیں۔

"رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" میں سمجھا تھا کہ میری بھی کچھ ربوبیت ہے، نہیں پیارے آپ ہی ربوبیت کے سزاوار ہیں، آپ ہی سب کے پالنے والے ہیں۔

"اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" آپ کی محبت کا کیا کہنا، قصور دیکھتے ہیں، پھر برابر روزی دیئے جاتے ہیں، قصور پر قصور کررہے ہیں، پھر ذرا توبہ کرلئے تو آپ جنت کی نعمتیں ہم پر سے نثار کردیتے ہیں، کیا آپ کی مہربانی اور عنایت کہوں، عمر بھر کا گنہگار اگر توبہ کرے تو آپ فرماتے ہیں، ارے گنہگار۔ بندے گھبرامت، اگر تُو زمین بھر کر گناہ کیا ہے تو میں آسمان بھر کر رحمت تجھ پر نثار کرنے تیار ہوں۔

"مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" آپ کو شہنشاہیت کے پورے اختیارات ہیں، آپ وہ ہیں کہ بڑے بڑے زبردست بادشاہ، مغرور پہلوان، جن وانس اور فرشتے تھرتھراتے کانپتے، ڈرتے، لرزتے حضور میں ہاتھ باندھے ہوئے ایسے ہی حاضر ہوں گے جیسے میں اس وقت حاضر ہوں، سب کا فیصلہ آپ کے قبضہ میں ہوگا۔

"اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ" میں آپ کا پشتنی غلام ہوں، ہمیشہ سرکار سے ہر قسم کی مدد ملتی رہتی ہے، میں قدیمی نمک خوار ہوں۔

پھر عرضی کا اصل مضمون پیش کرتا ہے۔

''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' اصلی معروضہ یہ ہے کہ صراطِ غلامی پر رکھو، جو چاہو کرو، مگر میاں اپنی غلامی سے مت نکالو، معاش کی فکروں میں پھرتا ہوں تو یہ مت سمجھنا میاں کہ آپ کو بھولا ہوا ہوں، آپ ہی کا حکم ہے اس لئے جاتا ہوں، پھر دوڑ دوڑ کر آپ ہی کے طرف آتا ہوں۔

اس کی نعمت کا خاص کر دسترخوانِ زمین کی نعمتوں کا شکریہ ادا کر کے استقامت، شکریہ کی دعاء کر کے ناشکروں کے زمروں سے بچانے کی درخواست کر رہے ہیں۔

ایک فرشتہ پکار رہا ہے اے نمازی بندے! اگر تو دیکھ لے کہ تیرے سامنے کون ہے اور تو کس سے باتیں کر رہا ہے تو واللہ قیامت تک سلام نہ پھیرے، نماز ہی میں مشغول رہتے رہتے مرجائے اور کبھی بس نہ کرے۔

موسیٰ علیہ السلام کو ہیبت طاری ہوئی تو دل بہلانے فرمایا ''وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسٰى'' (موسیٰ تمہارے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے)۔ ایسا ہی بندہ کو معراج ہو رہا ہے کچھ ایسی ہیبت طاری ہے قریب ہے کہ بیہوش اور بے سدھ ہوجائے، اس لئے بہلاتے ہیں کبھی ''فِيْل، وَ اَبَابِيْل'' کے قصے سنتے ہیں تو کبھی ابولہب کی داستان، یہ ضم سورہ ہے، آخر اللہ تعالیٰ کی ہیبت و عظمت سے عاجز ہوکر جھکا جا رہا ہے، رکوع کیا، یا یوں سمجھئے عرضی پیش ہونا تھا فوراً منظور، اللہ اللہ کیا سخی داتا ہے، کیا سخی دربار ہے، قیام میں تمام گناہوں کی پوٹلی سر پر رکھے تھے رکوع میں جاتے ہی سب گناہ جھڑ جاتے ہیں، رکوع سے خوش خوش اٹھتا ہے ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کہتے ہوئے کہ میرا اللہ سُن لیا، پاک صاف کردیا۔

اس وقت حکم ہوتا ہے کیوں بندے گیا نہیں، تُو سنا تو ہوگا کہ بادشاہوں کے پاس جانے کیلئے کیا کیا اہتمام کرنا پڑتا ہے، کس کوششوں سے کبھی ملاقات نصیب ہوتی ہے کیوں بندے ہمارا بھی دربار دیکھا، جب تو چاہے ہمارے پاس چلا آسکتا ہے، نہ تجھے اجازت کی ضرورت نہ کوشش کی حاجت، ہاتھ باندھ لئے خدا کے سامنے ہو گئے۔

پھر نمازی دل میں کہتا ہے میرے پیارے کیا کروں، تیری نعمتوں کا شکریہ کس طرح ادا کروں تو بتاؤں میاں! میاں وہ کونسا کام کروں جو تیرے احسانوں کا کچھ تو بدلا ہو، تیری شانِ عالی کے سامنے مجھ بیچارے سے کیا ہوسکتا ہے، میرے سارے جسم میں سر اور چہرہ شریف ہے اس شریف عضو کو آپ کے سامنے زمین پر رکھتا ہوں تاکہ میری انتہائی عاجزی کا اظہار ہو جائے اور میں یہ جانتا ہوں اس سے آپ کی کچھ عظمت و کبریائی بڑھتی نہیں، آپ سب بڑوں سے بڑے ہیں، صرف میری عاجزی کا اظہار مقصود ہے اس لئے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے سجدہ میں سر رکھ دیتا ہوں، یا یوں سمجھئے کہ رکوع سے کھڑے ہوتے ہی خیال آتا ہے کہ رکوع میں ابھی میں دور تھا تو یہ سرفرازی ہوئی، نزدیک ہونے سے خدا جانے کیا کیا ہو، اس لئے قدموں پر گرا۔

حکم ہوتا ہے بندے گناہ تھے وہ تو دھو دیئے، لے اب تجھے اپنا مقرب بناتے ہیں میرے بندے سجدے سے سر اٹھا کیوں پریشان ہے، تو ہی ہم سے دور، دور تھا ہم کیا کریں، اب آ گیا ہے تو تُو ہمارا ہے، ہم تیرے ہیں۔

صاحبو! یہ علاقہ یہاں کیا، قبر میں مزہ دے گا۔

**حکایت** :- رابعہ رضی اللہ عنہا کی قبر میں منکر نکیر پوچھے ''مَنْ رَبُّكِ'' (تیرا رب

کون ہے) تو رابعہؒ نے کہا میرے رب سے کہو تو اپنی لکھو کھا مخلوق میں سے ایک بوڑھی کو نہیں بھولا، قاصد بھیجا ہے تو بھلا یہ بوڑھی کا آپ کے سوا کوئی نہیں، میں کیسے آپ کو بھولتی جو آپ چاہتے ہیں امتحان لیں کہ میں یاد رکھی ہوں یا بھولی ہوں۔

جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تُو مجبور ہو کر ایک عبادت میں طرح طرح کی عبادتیں کرتا ہے، قیام، رکوع، سجدہ، تکبیر، تسبیح، تحمید، درود، تو میں قادر ہو کر کیا اس کا بدلہ نہیں دوں گا۔ طرح طرح کی عبادتوں کے بدلے طرح طرح کی نعمتیں، قسم قسم کے میوے رنگ برنگ کے کھانے کھلاؤں گا، سب عبادتوں میں سجدہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اس کے بدلے اعلیٰ درجہ کی نعمت جو میرے دیدار کی نعمت ہے سرفراز کروں گا، میرے بندے مجھے عذاب کرنے بہت سے کافر ہیں، مگر تیرے کو میرے سوا کوئی نہیں ہے، اس لئے نماز کے بدلے تیرے سب گناہوں کو بخش دیا۔ میرے بندے! تیری ہر رکعت کے بدلے جنت میں ایک عالیشان محل ایک خوبصورت حور دوں گا، تیرے ہر سجدہ کے صلہ میں میرے چہرہ پر نظر کرنے کی نعمت عطا کرونگا۔

یا یوں سمجھئے بندہ زمین پر پڑے ہوئے عرض کرتا ہے "سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی"۔ (آپ پاک ہیں میرے رب اور عالیشان ہیں) تیری شان عالی کا کیا اظہار کروں، جس خاک پر رکھا ہوں، بس میں یہی خاک تھا، تو مجھے اس خاک سے پیدا کیا، گو میں ناچیز ہوں مگر میرا رب بڑا اعلیٰ ہے۔

حکم ہوتا ہے اچھا بندے! ذرا سب کو دکھا کہ ہم خاک سے کیسے پیدا کئے تو بندہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے قعدہ میں بیٹھا کہ یوں خاک سے پیدا ہوا، پھر حکم ہوتا

ہے کہ اس زندگی پر دھوکہ نہ کھانا، پھر خاک میں ملنا ہوگا۔ جاؤ خاک میں مل کر دکھاؤ کہ مرکر کس طرح خاک میں ملیں گے فوراً ''اَللّٰہُ اَکْبَر'' کہتے ہوئے دوسرے سجدہ میں گیا، کہ یوں مرکر خاک میں ملیں گے۔ پھر حکم ہوتا ہے اچھا بندے! اب بتا کہ مرنے کے بعد خاک سے پھر کیسے زندہ ہوں گے تو اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے دوسرے سجدہ سے سیدھا کھڑا ہوگیا کہ دیکھو یوں قیامت میں کھڑے ہوں گے۔ نمازی خدا کی قدرت کو آنکھوں کے سامنے دکھادیا۔ اسی واسطے سجدہ میں جاتے وقت پہلے زمین پر زانوں رکھتے ہیں، پھر ہاتھ، پھر چہرہ، اور اٹھتے وقت اس کا الٹا یعنی پہلے چہرہ، پھر ہاتھ، پھر زانوں اٹھاتے ہیں۔ قیامت میں اس سجدہ کا لطف دیکھنا۔ سب لوگ قبروں سے نکل کر باہر آئینگے۔ فوراً مسلمانوں کے پاس فرشتے آکر ان کے سروں سے مٹی پوچیں گے تمام جگہ کی مٹی پوچی جائے گی مگر پیشانیوں کی مٹی ہزار پوچنا چاہیں گے مگر وہ مٹی دُور نہ ہوگی، اتنے میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی میرے فرشتو! پیشانی کی مٹی کو رہنے دو، یہ قبروں کی مٹی نہیں ہے، یہ سجدوں کی مٹی ہے، یہ میں نے اس لئے ان کو پیشانی پر مٹی لگی ہوئی اٹھایا ہے تا کہ سب کو معلوم ہو کہ یہ میرے سچے غلام تھے، غلامی کا جو اظہار کئے تھے یہ اسکی علامت ہے، پھر غلاموں کی طرح باادب بیٹھ کر تعریف کرتا ہے ''اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَ الطَّیِّبَاتُ'' (میرے اللہ ہی کیلئے ہیں۔ میری دل وزبان کی ساری عبادتیں، میری بدنی عبادتیں۔ میری مالی عبادتیں۔

اس کے بعد ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ'' کہہ کر جن کی بدولت دربار میں باریاب ہونا نصیب ہوا، ان پر سلام ودرود بھیجتا ہے اور دوست یاد آگئے ان کو بھی ساتھ ملالیا ''اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ

الصَّالِحِیْنَ "۔ نماز ختم کرنے کیلئے کہا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ" بھائیو! اب تک میں دوسرے عالم میں تھا کہاں کہاں گیا، بہت دُور سے سفر کر کے پھر تمہارے پاس آیا ہوں "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ" سلام پھیرتے وقت صرف منہ پھیرتا ہے، سینہ قبلہ کی طرف ہے اس سے یہ بتاتا ہے کہ میرے مولیٰ! آپ کے سامنے سے دل جانا نہیں چاہتا۔ آپ کی جدائی کا صدمہ نہیں سہا جاتا ہے اب بہ مجبوری جاتا ہوں، منہ مخلوق کی طرف پھیر رہا ہوں، مگر دل کو آپ ہی کی طرف رہنے دیتا ہوں۔

یہ ہے غلامی کا اظہار، غلام اپنی غلامی کا کیسے اظہار کرتے ہیں، یہ دیکھنے کیلئے جو شخص مسجد میں آیا تھا وہ دیکھا کہ مسجد میں غلام نماز پڑھ کر اس طرح غلامی کا اظہار کر رہے ہیں تو اس کو معلوم ہوا کہ ابتداو تخلیق عالم سے آج تک کسی نے ایسا اپنی غلامی کا اظہار نہیں کیا ہے اس کو یہ عبادت بہت پسند آئی، وہ بھی اس عبادت میں شریک ہونا چاہا تو حکم ہوتا ہے یوں نہیں ذرا اس دنیا کے ظلمت کدہ کی سیاہی دھو کر آؤ ۔ یوں بھی تو دربار شاہی میں جانے والا نہاتا، منہ ہاتھ دھوتا، کپڑے پاک پہنتا ہے تم بھی اب دربارِ الٰہی میں آرہے ہیں ایسا ہی کرو۔

دنیا میں دو طرح کی لذّت ہے ایک میں سُدہ باقی رہتی ہے جیسا کھانا پینا، اس کے لئے ہلکی طہارت یعنے وضو، دوسرے بے سُدہ کرنے والی لذت جیسے جماع، اس میں تو تم نے ہم کو بالکل بھولا، اس لئے تم خوب طہارت یعنی غسل کر کے آؤ، اور پھر غلامی کا اظہار کرو، یہ ہے نماز اور یہ ہے مسلمانوں کی معراج۔

نمازیو! تمہاری شان کل قیامت میں دیکھنے کی ہوگی، ایک مثال سے نمازیوں کے شان وشوکت کا اندازہ کرو۔

رسول اللہ ﷺ فرمائے ہیں کہ قیامت میں کئی جگہ ایسے ہیں کہ وہاں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا ، اس میں سے ایک پل صراط بھی ہے ، کیا کہوں کیسا خوفناک منظر ہوگا دوزخ کی آگ جوش مار رہی ہوگی ، اس پر پُل تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک رکھا جائے گا ، مسلمان وہاں پریشانی کی حالت میں کھڑے ہوئے ہیبت اور خوف ودہشت سے بے سُدھ ہوکر رو رہے ہوں گے، فرشتے پوچھیں گے، ارے کیوں روتے ہو، وہ کہیں گے ہم کو آگ سے ڈر لگتا ہے، کیسے اس پر سے گذریں، ایسے میں کیا دیکھتے ہوں گے کہ جبرئیل علیہ السلام آکر کہیں گے تم دریاؤں پر کیسے گذرتے تھے وہ کہیں گے کشتیوں کے ذریعہ سے۔

فوراً بڑے بڑے مکان ریل کے ڈبوں کی طرح آکر کھڑے ہوجائیں گے وہ اس میں بیٹھ کر پُل صراط سے پار ہوجائیں گے، پوچھیں گے یہ کیا تھے، فرشتے کہیں گے یہ تمہاری مسجدیں تھیں جن میں تم نماز پڑھا کرتے تھے۔

مسلمانو! اب بھی وقت ہے کہ تم نماز پڑھ کر آخرت کی عزت حاصل کرو، اگر یہ وقت گیا اور تم نے نماز نہ پڑھ کر موقع ہاتھ سے کھودیا تو پھر پچھتاؤ گے، اُس وقت کا پچھتانا کوئی فائدہ نہ دے گا۔

## ● نماز کی حقیقت اور فضیلت

صاحبو! ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

’’اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ‘‘ نماز فحش اور برائی سے

روکتی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے ''اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی'' نماز پڑھو، مجھے یاد کرنے کیلئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نماز غفلت دور کرتی ہے اور اللہ یاد آتا ہے، جیسے ظاہر میں قرآن شریف کا پڑھنا، اور قبلہ کی طرف منہ کرنا، نماز کے اجزا ہیں، ایسا ہی قرآن کی حقیقت اور کعبہ کی حقیقت، نماز کی حقیقت کے اجزا ہیں، نماز خدا کے اِسْمِ حَی کا مظہر ہے یعنی جیسے اِسْمِ حَیُ تمام اسماء کا جامع ہے، ایسا ہی نماز تمام حقیقتوں کی جامع ہے اس لئے نماز تمام آدمیوں پر فرض ہے بلکہ تمام مخلوقات پر فرض ہے، اگرچہ نماز کا پورا حصہ انسان ہی کو ملا ہے مگر کچھ نہ کچھ حصہ نماز تمام مخلوق کو بھی ملا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے ''اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ''۔ (پ ۱۷۔ رکوع ۲۔ سورۂ حج) سے نماز کی شان معلوم ہوتی ہے، ذرا اس لفظ کو بھی یاد کیجئے جو معراج شریف میں کہا گیا ہے ''قِفْ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ رَبَّکَ یُصَلِّی ''۔ ترجمہ:۔ ٹھہرو یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے یعنی رحمت بھیج رہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اِسْمِ حَیُ کا مظہر نماز ہے، اس لئے دوسرے اسماء کو اللہ تعالیٰ کے اِسْمِ حَیُ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نماز عالم امر کے کاموں میں سے ہے اور اس لفظ پر بھی آپ غور کیجئے۔ ''اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنِ'' مسلمانوں کی معراج نماز ہے اور معراج تو بغیر نبوت کے ہوتا نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نمازی کو نبوت کے کمالات اور تقرب خدا اس طرح حاصل ہوتے ہیں کہ وہ معراج ہونے کے قابل بن جاتا ہے اور نماز میں معراج ہوتی ہے، کیا شان ہے نماز کی، نماز میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر حضور ہوتا تھا

ویسا اور کسی وقت نہیں ہوتا تھا اس لئے آپ فرماتے ہیں "قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ" میرے آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے غرض نماز پیغمبروں کے کاموں میں سے ہے۔ ع

ہاں یہ دولت ہے بڑی دیکھئے ملتی ہے کسے

اعضاء کو دل سے ایک خاص تعلق ہے یعنی دل سے ہمیشہ آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں سب اعضاء کو قوت و امداد پہونچتی ہے، ایسا ہی دل میں اعضاء کا اثر پڑتا ہے، آنکھ کے ذریعہ سے رنگوں کو دیکھتا ہے، کان سے آواز سنتا ہے تو جو ارادہ نفسانی خواہشات کے غلبہ سے دل میں پیدا ہو وہ باطل ہے وہ مشترک ہے اور جو القاء بغیر خواہش نفسانی کے صرف روح کی طرف سے ہو وہ حق ہے، دل کی عبادت یہی ارادہ ہے اور ارادہ باطل دل کی نافرمانی ہے، اس لئے جب کہ نماز سب عبادتوں کی جڑ ہے، اول دل کو عبادت میں لانا چاہئے، تا کہ ساری عبادت ٹھیک ہو، اس لئے ارادہ خالص ہو، نہ ارادہ وہ مشترک، یہی نیت نماز ہے، اس کے بعد اَللّٰهُ اَكْبَر کہہ کر حیوانات کی طرح مرغِ نفس کو ذبح کر کے سارے تعلقات کو توڑ کر ایک کی طرف متوجہ ہوں، دل کے ارادے کو ہاتھ سے کر کے دکھائے، کانوں تک ہاتھ اٹھا کر سارے تعلقات سے انکار کر کے بتلائے، اس وقت "اَلْمُرِيْد" جو اللہ کا نام ہے اس کی تجلی ہوتی ہے، اس کے بعد قیام میں ہے، ہاتھ باندھے ہوئے بادشاہ حقیقی کے سامنے کس عاجزی سے کھڑا ہے، اس وقت اِسمِ قَيُّوم کی تجلی ہو رہی ہے چونکہ نیکیوں کا تعلق سیدھے ہاتھ کی طرف ہے اور نیکیاں لکھنے والا فرشتہ سیدھے ہاتھ کی طرف ہے، نیک لوگوں کو نامۂ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور نیک لوگ

میدانِ قیامت میں سیدھے طرف ہوں گے، بخلاف بائیں ہاتھ کے کہ اس کا الٹا ہے اس لئے سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر زبانِ حال سے عرض کرتا ہے میاں آپ فرمائے ہیں ''اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ'' ط (پ۱۲۔ رکوع۔۱۔ سورۂ ھود) اس طرح نیکیوں کے پلڑے کو برائیوں کے پلڑے پر غالب کردو۔ صاحبو! آپ کو معلوم ہے کہ نماز میں قرب الٰہی ہوتا ہے، قرب کا خاصہ ہے ہمکلامی، اس لئے قرآن پڑھ رہا ہے اِسْمُ الْمُتَکَلِّم کی تجلی ہورہی ہے۔

اس کو یوں سمجھئے کہ جیسے نَے (شہنائی کی قسم) کہ نَے بجانے والے کے منہ میں ہوتی ہے، نَے کی آواز نہیں بلکہ نَے بجانے والے کی آواز ہے، ایسا ہی میں نہیں، خدا فرمارہا ہے اور میں سُن رہا ہوں، اس وقت ہم کلامی کا لطف ملے گا۔

**سوال:-** حدیث قدسی بھی اللہ ہی کا کلام ہے پھر یہ نماز میں کیوں نہیں پڑھا جاتا ہے؟

**جواب:-** اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قرب دو طرح کا تھا، ایک قرب نبوت سے علاقہ رکھتا تھا اور ایک قرب ولایت سے متعلق تھا۔ قرآن شریف قرب نبوت میں عطا ہوا، اور حدیث قدسی قرب ولایت میں، جو قرب نبوت سے متعلق ہے وہ نماز میں پڑھا جاتا ہے نہ کہ وہ جو قرب ولایت سے ہے۔ اَلْحَمْدُ اور اس کے ساتھ سورہ پڑھتا ہے کہ یہ اس واسطے کہ اجمال اور تفصیل دونوں فیض حاصل ہوں، پھر اپنے کو خدا کی عظمت کے سامنے پست کر کے جھک جاتا ہے۔ ''اِسْمُ الْعَظِیْم'' کی تجلی ہوتی ہے اس لئے منہ سے ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم'' بار بار نکلتا ہے۔ پھر سجدہ میں گرا ہے اس وقت وہ وہ ترقیات ہورہے ہیں، معشوق کی قدم

بوسی کی سعادت حاصل کرتے ہیں، ''اِسمُ العُلیٰ'' کا ظہور ہورہا ہے اس لئے
''سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلیٰ'' بار بار منھ سے نکل رہا ہے، پھر قعدہ میں بیٹھا ہے اس
وقت ''اِسمُ المَتِین'' کا ظہور ہورہا ہے سالک جب سلوک میں قدم رکھتا ہے، اس
پر طرح طرح کے احوال ظاہر ہوجاتے ہیں، پھر آخر میں سکون واطمینان ہوجاتا ہے
اس کو تمکین کہتے ہیں، ایسا ہی نمازی شروع نماز سے سلوک طے کرتے ہوئے قعدہ
میں تمکین کے مقام پر پہونچا ہے، یہ معلوم ہوچکا ہے کہ نماز عالم امر سے ہے۔
فرشتوں کے کاموں میں سے ہے جب نمازی نماز پڑھتا ہے تو فرشتوں کا کام
کرتا ہے، اور فرشتوں کی جماعت میں داخل ہے۔ بشریت کا تقاضہ ہے کہ کوئی آدمی
اس عالم میں بغیر مرے کے ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔ حضور بھی تو وہاں ہمیشہ نہ رہے، معراج
سے واپس تشریف لائے، ہاں روح کو یہ بدن چھوڑنے کے بعد عالم بالا میں رہنا
نصیب ہوگا۔ اس لئے نمازی اب اُس عالم سے اترتا ہے فرشتوں سے رخصت ہو
رہا ہے، اس لئے ''اَلسَّلاَمُ عَلَیکُم'' کہہ رہا ہے، یہ چیز ہے نماز، ہائے اس نماز کی
ہم کو قدر نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہورہا ہے ''جَاعِلُ المَلٰئِکَةِ رُسُلاً اُولِیٓ اَجنِحَةٍ
مَّثنیٰ وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ''۔

خدائے تعالیٰ فرشتوں کو پیدا کیا ہے اور انھیں پر دیا ہے، دو، دو، تین تین،
چار چار۔ انسان مٹی کا بنا ہوا اس میں اڑنے کا مادہ نہیں تھا مگر اس کو اڑتے ہوئے
جنت الفردوس پہونچنا تھا۔ کسی فرشتہ کو دو کسی کو تین اور کسی کو چا پر دیا۔ فرشتوں کو الگ
الگ تو انسان کو سب دیا۔

صبح کی دو رکعت فرض دو پر۔

ظہر، عصر، عشاء کے چار فرض چار پر۔
مغرب کے تین فرض تین پر۔

فرشتے ایک قسم کے پر سے اڑتے ہیں، انسان تینوں قسم کے پروں سے اڑے گا۔ انسان کے اڑنے کی کیفیت دیکھ کر فرشتے اپنا اڑنا بھول جائیں گے، انسان کے اڑنے کو حیرت سے دیکھتے رہ جائیں گے۔ انسان یہ جا وہ جا، خدا جانے قرب کے کس درجہ کو پہونچ جائے گا۔

پر کی ہر وقت ضرورت پڑتی ہے، اس لئے روزانہ پانچ وقت کی نماز مقرر ہوئی۔

## ● رات دن میں پانچ دفعہ نماز فرض ہونے کے اسباب

سنو صاحبو سنو! خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِکَ ذِکۡرٰی لِلذّٰکِرِیۡنَ ۝ وَاصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۝ (پ ۱۲۔ رکوع ۔۱۰۔ سورہ ھود)۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے پانچ وقت کی نمازوں کا حکم دیا ہے اس کے برخلاف روزہ، زکوٰۃ سال میں صرف ایک مرتبہ ہے اور حج عمر میں ایک بار ہے مگر نماز دن میں پانچ مرتبہ ہے سنئے اس کی وجہ عرض کرتا ہوں۔

صاحبو! جہاز میں بیٹھنے والا سمجھتا ہے کہ میں بیٹھا ہوا ہوں، حالانکہ وہ ہزاروں میل کی رفتار سے بہت تیزی کے ساتھ چلا جا رہا ہے، ایسا ہی ہم سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم ایک ہی جگہ ہیں حالانکہ عمر کا جہاز ہم کو بہت تیزی سے لیجا رہا ہے۔ ہم اس

عالم میں مسافر ہیں ہماری پہلی منزل گہوارہ ہے اور آخری منزل ہے قبر۔

اور وطن جہاں جانا ہے وہ جنت ہے یا دوزخ۔

سال، مہینے اور دن کوس اور میل ہیں اور دم یعنی سانس قدم ہیں، اور وقت راس المال ہے اور خواہشات اور اغراض راستہ لوٹنے والے ہیں، دنیا کے اس تجارت کا نفع جنت میں دیدارِ الٰہی سے مشرف ہونا ہے، دنیا کی اس تجارت کا نقصان اور خسارہ اللہ تعالیٰ سے دُور ہوکر دوزخ میں عذاب بھگتنا ہے۔

او غافل انسان! وقت تیرا راس المال ہے، (تجارت کی پُونجی) کہ جس سے تُو تجارت کرتا ہے) اسی پر تجھے جنت کا نفع یا دوزخ کا خسارہ ملتا ہے اس لئے وقت کی قدر کر۔

یہ زمین تجھے من مانے کام کرنے کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ بازار ہے، یہاں وقت سے نفع اٹھا کر وطن میں جا کر لطف اٹھانا ہے۔ یا نقصان اٹھا کر وطن میں جا کر پچھتانا ہے۔

وقت علامت ہے زندہ دلی اور مردہ دلی کی۔ وقت کی قدر کر کے یادِ الٰہی میں گذارا تو معلوم ہوا کہ بیدار دل ہے۔ اور جس کا وقت ضائع جارہا ہے، خدا کو بھولا ہوا ہے تو وہ غافل ہے اور مردہ دل۔

آفتاب کے چکر لگانے سے، چاند کے منزلیں طے کرنے سے، سایہ کے کم اور زیادہ ہونے سے، ستاروں کے نکلنے اور ڈوبنے سے، دنیوی امور پر مدد لینا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تُو وقتوں کو پہچانے، اور ان اوقات میں خدا کی عبادت میں مشغول رہے۔ آخرت کیلئے توشہ تیار کرے، ممکن ہے تُو یہ

سمجھتا ہو کہ یہ سورج اور چاند تارے دنیا کا نفع لینے کیلئے ہیں، تیرا یہ سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ مکھی جو قصاب کی دوکان پر بیٹھتی ہے یہ سمجھتی ہے کہ قصاب نے دوکان میرے ہی لئے کھولی ہے اور گوشت میرے ہی لئے رکھا ہے مگر قصاب کے دل میں اس مکھی کی مطلق وقعت نہیں ہے، نہ قصاب کو کبھی مکھی کا یہ خیال آیا ہے۔ اس مکھی کی طرح تیرا بھی سمجھنا ہے کہ یہ آفتاب، چاند وغیرہ تیرے دنیا کے کاموں کیلئے ہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ یہ وقت بتلانے کیلئے ہیں، تا کہ تو ان وقتوں میں خدا کو یاد کرے، اگر کسی وقت میں نہ ہو تو، دوسرے وقت میں اسکا بدلہ ادا کرے، جیسے ارشاد ہوتا ہے :-

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝ (پ۱۹۔ رکوع ٦۔ سورۂ فرقان)۔

رات اور دن کو ہم نائب بناتے ہیں، ایک دوسرے کا، ان لوگوں کیلئے جو ہمارا ذکر کرنا چاہتے ہیں یا شکر، یعنی اگر رات میں نہو سکا تو دن میں، اور دن میں نہ ہوسکا تو رات میں، غرض یہ دن اور رات ہمارے ذکر اور شکر کرنے کیلئے ہیں، نہ کہ دنیا کے کاموں کیلئے۔

سنو دوستو! نہیں ہے نجات مگر انھیں کو کہ جن کو مرنے کے بعد خدا کا دیدار ہوگا اور دیدار نہ ہوگا مگر انھیں کو ہوگا جو خدا کے عاشق اور عارف ہو کر مرے، خدا کی محبت اور عشق نہیں پیدا ہوتا ہے مگر ہمیشہ محبوب کا ذکر کرتے رہنے سے، اور معرفت، خدا کی نہیں پیدا ہوتی، مگر ہمیشہ اس کے صفتوں اور اس کے افعال میں فکر کرتے رہنے سے۔ اس کو اس طرح سمجھئے کہ روح، نورانی اور علوی ہے، یہ جسم، ظلمانی اور سفلی میں آگئی ہے، یہ جسم ظلمانی کا تعلق روح کو خسارہ میں ڈالتا ہے اور دیدارِ الٰہی سے روکتا ہے

مگر اعمال صالحہ اور ذکر وفکر کہ یہ جسم کو ظلمت سے نکال کر روحانیت اور نورانیت میں پہنچاتے ہیں اور دیدارِ الٰہی کے قابل بناتے ہیں، جیسے دانہ زمین میں ڈالا جائے تو وہ زمین کی ظلمت اس دانہ کو خسارہ میں ڈالتی ہے، مگر پانی زمین کی ظلمت سے نکال کر ہرا بھرا کرتا ہے اور ایک دانے کے سات سو (۷۰۰) دانے کرتا ہے۔

یا یوں سمجھئے کہ عالم بالا میں جیسے عرش ہے ایسا ہی یہاں دل عرش ہے روح کا، اور دل کے دو منہ ہیں، ایک منہ تو روح کی طرف ہے جس کو فواد کہتے ہیں۔اس لئے فرمایا مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی۔ (پ ۲۷۔ رکوع ۱۔ سورۂ نجم) اور ایک منہ ہے نفس کی طرف اس کو صدر کہتے ہیں۔

ہر ایک مقام کا ایک خاص اثر ہوتا ہے جیسے حبش کہ وہاں کے لوگ کالے ہوتے ہیں، ایسا ہی اِس عالم کی خاصیت ہے کہ دل کا منہ نفس کی طرف کھلا رہے اور روح کی طرف کا منہ بند رہے، اس طرح کا بند رہنا دیدار الٰہی سے محروم کردے گا۔اس لئے ذکر الٰہی اعمال صالحہ روح کی طرف کے منہ کو بند نہیں ہونے دیتے اور یہی مرنے کے بعد دیدار کا سبب بنتا ہے، اس لئے نجات اور دیدار کے طالب کو رات دن ہمیشہ خدا کی یاد میں رہنا چاہیئے۔کوئی دقت بغیر یادِ الٰہی کے نہ گذرے، اور یہ ہو نہیں سکتا تھا اس لئے پانچ وقت کی نماز مقرر کی گئی اس میں ہمیشہ رات دن کے ذکر کا اثر ہے نمازی کا سارا دن نماز ہی کی فکر میں گذرتا ہے، نمازی بے فکری کے ساتھ کسی کام میں منہمک نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ بے فکری کے ساتھ سو بھی نہیں سکتا، رات کو بار بار آنکھ کھلتی ہے کہ کہیں صبح کی نماز کا وقت نہ نکل جائے سُبْحَانَ اللّٰہِ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شب معراج میں پچاس کی جگہ پانچ

نمازیں مقرر فرما کر ارشاد فرمایا تھا کہ یہ پانچ نمازیں تو ہیں مگر پچاس ہی کے برابر ہیں۔ میرے یہاں بات بدلا نہیں کرتی تو ثواب کے اعتبار سے تو یہ پانچ نمازیں پچاس کے برابر ہیں ہی، کیوں کہ ہر نیکی دس نیکی کے برابر ہے لیکن ظاہری اثر اور تاثیر کے اعتبار سے بھی یہ پانچ نمازیں پچاس ہی کے برابر ہیں کیوں کہ سارا دن نماز ہی میں مشغول ہو گیا ہے، اور اس طرح نمازی گویا ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے۔

یہ پانچ وقت کی نماز وہ چیز ہے کہ اس سے روح کی طرف کا رخ بند نہیں ہوگا، روح پر جسم کی ظلمت کا اثر نہیں ہوگا۔ روح دیدارِ الٰہی کے قابل بن کر دنیا سے جائے گی، اسی لئے رسول اللہ ﷺ فرمائے ہیں کہ پانچ نمازیں کہ ان میں ہر نماز دوسرے نماز کے مابین کے گناہوں کا کفارہ ہے، اس لئے کہ پانچ حواس دل کو جسم کی طرف مشغول رکھتے ہیں، نورانیت سے روکتے ہیں، خدائے تعالیٰ سے انسیت نہیں ہونے دیتے، کدورت بھی پیدا کر دیتے ہیں، ان پانچ حواس کے مقابلہ میں پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں، ان سے حواس کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، خدا کی طرف توجہ پیدا ہو جاتی ہے، خدائے تعالیٰ سے انسیت ہونے لگتی ہے جیسے پانچ حواس سے پانچ دروازے دل کے جسم کی طرف کھلے ہوئے تھے جس سے ظلمت دل میں آتی تھی، ایسا ہی پانچ نمازوں سے پانچ دروازے دل کے خدائے تعالیٰ کی طرف کھل جاتے ہیں، ان دروازوں سے نورانیت آتی ہے، کدورت کو دور کرتی ہے۔

ایک اور بات ہے سنو دوستو سنو! یہ بات آپ کے آنکھوں کے سامنے ہے کہ ایک سال گذرنے سے جسم پر کتنا تغیر پیدا ہوتا ہے، بچہ کتنا بڑا ہوتا ہے، جوان اور

بوڑھوں پر بھی ایسا ہی اثر ہوتا ہے، مہینہ گذرنے پر بھی جسم پر تغیر پیدا ہوتا ہے مگر محسوس نہیں ہوتا ایسا ہی ایک ہفتہ گذرنے پر بھی جسم میں تغیر ہوتا ہے اور ایک دن گذرنے پر بھی جسم میں تغیر ہوتا ہے اور چند گھنٹوں کے گذرنے پر بھی جسم میں تغیر ہوتا ہے، ایسا ہی سال، ہفتہ اور گھنٹے گذرنے سے بھی روح پر تغیر ہوتا ہے، سال گذرنے سے جو روح پر تغیر ہوتا ہے اس سے بچانے کیلئے رمضان شریف اور عیدین مقرر ہوئے، ہفتہ گذرنے سے جو روح پر تغیر ہوتا ہے اس سے بچانے کیلئے جمعہ مقرر ہوا اور گھنٹوں کے گذرنے سے جو روح پر تغیر ہوتا ہے اس سے بچانے کیلئے پانچ وقت کی نمازیں مقرر ہوئیں۔

پانچ وقت کی نماز کی پابندی سے مسلمان کی مثال اس گھوڑے کی طرح ہوجاتی ہے کہ جس کے اگلے اور پچھلے پیر بندھے ہوئے ہوتے ہیں، ایک دودفعہ اچھلتا کودتا ہے پھر بے بس ہوکررہ جاتا ہے، اور بے نمازی کی مثال اس گھوڑے کی طرح ہے کہ جس کا اگاڑی اور پچھاڑی نہ ہو۔ اور ہمیشہ شرارت ہی سے کام ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اب سب کچھ تو ہے مگر خدا کا خوف ہی دلوں سے اٹھ گیا ہے کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا۔ جب تک خدا کا خوف تھا ذراسی بات بھی اثر کرتی تھی۔

**حکایت** :- حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے جو بڑے زاہد خلیفہ تھے ان کی ایک باندی نے کہا کہ امیرالمومنینؓ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے اور وہ یہ کہ قیامت قائم ہے اور لوگ میدانِ قیامت کی طرف جارہے ہیں، میزان اعمال کھڑی ہوئی ہے۔ پُل صراط دوزخ پر رکھا ہوا ہے، اول عبدالملک بن مروان کو حکم ہوا

نمازیں مقرر فرما کرارشاد فرمایا تھا کہ یہ پانچ نمازیں تو ہیں مگر پچاس ہی کے برابر ہیں۔ میرے یہاں بات بدلا نہیں کرتی تو ثواب کے اعتبار سے تو یہ پانچ نمازیں پچاس کے برابر ہیں ہی، کیوں کہ ہر نیکی دس نیکی کے برابر ہے لیکن ظاہری اثر اور تاثیر کے اعتبار سے بھی یہ پانچ نمازیں پچاس ہی کے برابر ہیں کیوں کہ سارا دن نماز ہی میں مشغول ہو گیا ہے، اور اس طرح نمازی گویا ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے۔

یہ پانچ وقت کی نماز وہ چیز ہے کہ اس سے روح کی طرف کا رخ بند نہیں ہوگا، روح پر جسم کی ظلمت کا اثر نہیں ہوگا۔ روح دیدارِ الٰہی کے قابل بن کر دنیا سے جائے گی، اسی لئے رسول اللہ ﷺ فرمائے ہیں کہ پانچ نمازیں کہ ان میں ہر نماز دوسرے نماز کے مابین کے گناہوں کا کفارہ ہے، اس لئے کہ پانچ حواس دل کو جسم کی طرف مشغول رکھتے ہیں، نورانیت سے روکتے ہیں، خدائے تعالیٰ سے انسیت نہیں ہونے دیتے، کدورت بھی پیدا کر دیتے ہیں، ان پانچ حواس کے مقابلہ میں پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں، ان سے حواس کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، خدا کی طرف توجہ پیدا ہو جاتی ہے، خدائے تعالیٰ سے انسیت ہونے لگتی ہے جیسے پانچ حواس سے پانچ دروازے دل کے جسم کی طرف کھلے ہوئے تھے جس سے ظلمت دل میں آتی تھی، ایسا ہی پانچ نمازوں سے پانچ دروازے دل کے خدائے تعالیٰ کی طرف کھل جاتے ہیں، ان دروازوں سے نورانیت آتی ہے، کدورت کو دور کرتی ہے۔

ایک اور بات ہے سنو دوستو سنو! یہ بات آپ کے آنکھوں کے سامنے ہے کہ ایک سال گذرنے سے جسم پر کتنا تغیر پیدا ہوتا ہے، بچہ کتنا بڑا ہوتا ہے، جوان اور

بُوڑھوں پر بھی ایسا ہی اثر ہوتا ہے، مہینہ گذرنے پر بھی جسم پر تغیر پیدا ہوتا ہے مگر محسوس نہیں ہوتا ایسا ہی ایک ہفتہ گذرنے پر بھی جسم میں تغیر ہوتا ہے اور ایک دن گذرنے پر بھی جسم میں تغیر ہوتا ہے اور چند گھنٹوں کے گذرنے پر بھی جسم میں تغیر ہوتا ہے، ایسا ہی سال، ہفتہ اور گھنٹے گذرنے سے بھی روح پر تغیر ہوتا ہے، سال گذرنے سے جو روح پر تغیر ہوتا ہے اس سے بچانے کیلئے رمضان شریف اور عیدین مقرر ہوئے، ہفتہ گذرنے سے جو روح پر تغیر ہوتا ہے اس سے بچانے کیلئے جمعہ مقرر ہوا اور گھنٹوں کے گذرنے سے جو روح پر تغیر ہوتا ہے اس سے بچانے کیلئے پانچ وقت کی نمازیں مقرر ہوئیں۔

پانچ وقت کی نماز کی پابندی سے مسلمان کی مثال اس گھوڑے کی طرح ہوجاتی ہے کہ جس کے اگلے اور پچھلے پیر بندھے ہوئے ہوتے ہیں، ایک دودفعہ اچھلتا کودتا ہے پھر بے بس ہوکر رہ جاتا ہے، اور بے نمازی کی مثال اس گھوڑے کی طرح ہے کہ جس کا اگاڑی اور پچھاڑی نہ ہو۔ اور ہمیشہ شرارت ہی سے کام ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اب سب کچھ تو ہے مگر خدا کا خوف ہی دلوں سے اٹھ گیا ہے کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا۔ جب تک خدا کا خوف تھا ذراسی بات بھی اثر کرتی تھی۔

**حکایت** :- حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے جو بڑے زاہد خلیفہ تھے ان کی ایک باندی نے کہا کہ امیر المومنینؓ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے اور وہ یہ کہ قیامت قائم ہے اور لوگ میدانِ قیامت کی طرف جارہے ہیں، میزان اعمال کھڑی ہوئی ہے۔ پُل صراط دوزخ پر رکھا ہوا ہے، اول عبدالملک بن مروان کو حکم ہوا

کہ پُل صراط پر سے گذرے، یہ ایک دوقدم چلنے نہ پایا تھا کہ کٹ کر دوزخ میں گر پڑا، پھراس کے بیٹے ولید بن عبدالملک کو حکم ہوا، یہ پورا قدم بھی رکھنے نہ پایا تھا کہ دوزخ میں جاپڑا، پھراس کے بعد کے خلفاء کا یہی حال ہوا۔ پھر آپ کو پُل صراط پر سے گذرنے کا حکم ہوا۔ باندی نے ابھی اپنا خواب پورا بیان بھی نہ کیا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ چیخنے لگے اوراس طرح تڑپنے لگے جس طرح جال میں مچھلی تڑپتی ہے، سرکوزمین پر، اورآنکھوں کو دیوار پر مارنے لگے، باندی چلاتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی کہ امیرالمومنینؒ خدا کی قسم میں نے یہ دیکھا ہے کہ آپ پُل صراط سے گذرکر جنت میں پہنچ گئے ہیں۔ مگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوئے، جب آپ کا تڑپنا کم ہوا تو لوگوں نے آپ کومردہ پایا۔

ہائے ، یہ خوف تھامیاں کہ ان کواللہ تعالیٰ کا، فرماں بردار بنا رکھا تھا، اورآج خدا کا ڈر دلوں سے نکلنے کی وجہ سے آخرت بھی گئی دنیا بھی ہم سے گئی۔

فرمائے رسول اللہ ﷺ کہ جوشخص پانچ وقت نماز کا پابند ہو، جماعت کا لحاظ رکھے، اوّل جانے والوں کے ساتھ پل صراط پر سے بجلی کی طرح گذر جائے گا قیامت کے دن اس کا منھ چودھویں رات کے چاندکی طرح چمکتا ہوگا اور اس کو ہر روز ہزارشہیدوں کا ثواب ملے گا۔

شائدآپ کوخیال ہورہا ہوگا کہ تھوڑے سے عمل کی وجہ سے اس قدرثواب ملنے کے کیا معنی ہیں۔ میں عرض کروں گا کہ شاید آپ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ حکایت نہیں سنی کہ ایک باراُن کے ہاتھ سے کوڑا گر پڑا، ایک شخص نے جلدی سے اٹھا کر آپ کو دے دیا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روپیوں کی ایک

تھیلی اس کو دی، لوگوں نے کہا حضرت ذرا سے کام پر اس قدر مزدوری ، امام شافعیؒ جواب دیئے، اس نے ہمارے کام میں اپنی کوشش صرف کی ہے، ہم نے اپنی کوشش کا تھوڑا سا حصہ اس کو دیا۔

جب امام شافعیؒ ایسا فرماتے ہوں تو اللہ تعالیٰ جو عنایت فرماویں اس پر کیوں تعجب ہے۔

یہ خوبیوں والی نماز، کفار تک جس کے قائل، افسوس ہم اس سے بے پرواہ ہیں۔امریکہ کے ایک ڈاکٹر کا قول ہے کہ اسلام کو حیرت انگیز کامیابی تنظیم سے ہوئی اور تنظیم نماز باجماعت سے حاصل ہوتی ہے۔

- انجمن اور کانفرنس کرنے والے کبھی اس ڈاکٹر کے قول پر بھی غور کیئے :

جرمن کا ڈاکٹر کہتا ہے کہ نماز بہترین ورزش ہے اس کے ہوتے ہوئے پھر کسی ورزش کی ضرورت نہیں، ایک اور ڈاکٹر کہتا ہے کہ حفظان صحت کیلیئے وضو بہترین چیز ہے۔منھ اور ہاتھ، کہنیوں تک اور پیر کے مسامات پانی سے دھوتے رہنے کی وجہ سے کھلے رہتے ہیں جو حفظان صحت کیلیئے نہایت مفید ہے۔

سنو صاحبو! نمازی مسلمان سچا اور پکا مسلمان ہوتا ہے اس لئے اب ذرا سچے اور پکے مسلمانوں کی علامتیں سنو :-

(۱) پہلی علامت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کا ڈر اور اس کی محبت کچھ اس قدر ان کے دلوں پر چھائی ہوئی ہوتی ہے کہ جب ان کے سامنے خدا کا نام لیا جائے تو اس قدر عظمت اللہ کی ان پر طاری ہوتی ہے کہ کانپ جاتے ہیں رونگھٹے کھڑے ہو جاتے

ہیں، اگر خدا کے حکم کا خلاف کرر ہے ہوں، تب بھی فوراً باز آجاتے ہیں۔

(۲) دوسری علامت یہ ہے کہ جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ان کے دل میں فرحت پیدا ہوتی ہے، فوراً عمل اس پر کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔

(۳) اور تیسری علامت یہ ہے کہ وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۔ سچے مسلمان ہر کاروبار میں اپنے اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں، اپنے تمام کام اسی کو سونپ دیتے ہیں، نہ دنیا کی کسی چیز پر ان کو بھروسہ ہوتا ہے، نہ دنیا داروں پر، اس وجہ سے نہ کسی سے ان کو خوف ہوتا ہے اور نہ کسی سے امید، خوف بھی خدا ہی سے اور امید بھی خدا ہی سے لگائے رہتے ہیں۔ اتنا اعتقاد تو ہر مسلمان کو ہوتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

دوا پی تھی اس واسطے اچھے ہوئے یا امیدواری کی تھی اس لئے نوکری ملی، غرض یہ سب ظاہرہ ہے، کرنے والا اللہ ہے، ایسا اعتقاد نہ رکھے تو مسلمان ہی نہیں۔

سچے مسلمان اور عام مسلمان میں فرق برتاؤ کے وقت ظاہر ہوتا ہے، عام مسلمان کا جب تک اسباب سے کام نکل سکتا ہے خدا پر نظر نہیں ہوتی، جب کچھ نہ ہو سکا کوئی کام نہ آیا، اس وقت اللہ کا خیال آتا ہے، جیسے بیمار، حکیم، ڈاکٹر، عطائی، سب کا علاج کر کے یا اہل مقدمہ، وکیل، سفارش، رشوت وغیرہ سب کر کے آخر میں خدا پر نظر ہوتی ہے اور اس کے برخلاف سچے مسلمان کی نظر شروع ہی سے خدا پر ہوتی ہے، اسباب کرتا ہے مگر دل میں یہی ہے کہ خدا چاہے گا تو ہوگا۔ ورنہ نہیں، بولنا آسان ہے مگر کام کرتے وقت یہ خیال بہت مشکل سے آتا ہے، اس لئے فرماتا ہے کہ سچے مسلمانوں کا کام ہے۔

بعض ایسے سچے مسلمان ہیں کہ وہ خدا کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں، وہ اسباب وتدبیر کرنا ہی نہیں چاہتے، جو کچھ ہوا اُدھر ہی سے ہوا سمجھتے ہیں۔

**حکایت** :- حضرت شیخ ابوحمزہ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز راستہ چلتے چلتے ایک کنویں میں گر گئے، وہاں آدم نہ آدم زاد، لق ودق میدان کوئی آس نہ پاس، الٰہی کیا کیجئے، دل میں آیا کہ غل مچاؤ، کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ مدد کو آپہونچے گا۔ پھر میں نے کہا، یہ نہیں ہوسکتا۔ کہ بندہ جس کا کہلائیں اس کو چھوڑ کر مشکل کے وقت دوسروں کو بلائیں چپ ہوگیا۔

اتنے میں دو شخص کنویں پر آکر مشورہ کئے کہ دیکھو یہ کنواں کیسی بری جگہ راستہ میں ہے، کوئی بے چارہ مسافر انجان ، اس میں گر پڑے گا، اس کا منھ بند کر دینا چاہئے، تھوڑی دیر وہ دونوں شخص غائب رہے، پھر بڑی بڑی لکڑیاں لائے اور کنویں کا منھ لکڑیوں سے بند کرنے لگے، اب تو دل بہت گھبرا یا، قریب تھا کہ چیخوں کہ لوگو! کیا غضب کرتے ہو ایک مسافر کو زندہ در گور کر رہے رہو، پھر میں نے دل کو روکا اور سمجھایا کہ یہ لوگ تو کنویں کے منھ پر ہیں، بہت دُور ہیں، جو خدا تیری رگِ گردن سے نزدیک ہے، اس کو کیوں نہیں پکارتا، یہ سوچتا رہا اور وہ دونوں منھ بند کر کے چل دئے، میں نے دل میں کہا کہ خیر چلے جاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد کچھ ایسی آہٹ آئی جیسے کوئی جانور پنجوں سے کھودتا ہے اندھیرے میں کیا دیکھتاوں کہ کوئی پاؤں لٹکایا ہے اور اشارہ کرتا ہے کہ پاؤں کو پکڑ لے میں سمجھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اس پاؤں کو پکڑلیا، ایک جھٹکے میں کنویں سے باہر کھڑا ہوگیا، کیا دیکھتا ہوں کہ جس نے مجھ کو نکالا ہے وہ تو شیر ببر ہے، مجھے نکال کر جنگل کی طرف چل دیا میں

حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ الٰہی یہ کیا تیری قدرت ہے، غیب سے آواز آئی ابوحمزہؒ جو ہم پر بھروسہ کرتا ہے اس کو یوں قدرت دکھاتے ہیں، موت (شیر) کو بھیج کر موت (کنویں) سے بچاتے ہیں، یہ خاص لوگوں کا توکل ہے۔

قرآن وحدیث میں جو توکل سکھایا گیا ہے وہ اس طرح کا توکل نہیں ہے، یہ ہر شخص کا کام نہیں بلکہ سچے مسلمان بننے کے لئے اتنا توکل کافی ہے کہ تدبیر کرے مگر تدبیر پر بھروسہ نہ رہے، خدا پر بھروسہ رہے۔

اس کا فائدہ یہ ہے کہ تدبیر کرے گا مگر تدبیر میں منہمک ہوکر حلال حرام کا فرق نہ اٹھادے گا، جب معلوم ہی ہے کہ تدبیر کا برائے نام تعلق ہے اصل کام کرنے والے کو کیوں بگاڑ لے گا۔ دوا پیئے گا مگر حرام نہیں، کسب کرے گا مگر ناجائز نہیں، یہی پکے اور سچے مسلمانوں کی علامت ہے۔

چوتھی علامت سچے مسلمانوں کی یہ ہے کہ وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں ’’اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ‘‘ قرآن میں اس کثرت سے کسی حکم کا ذکر نہیں ہے جیسا نماز کا، اقامت اور اعتدال کا۔ ’’اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلٰوتِھِمْ دَآئِمُوْنَ‘‘ سے مراد محافظت و مداومت ہے، اور اپنے وقت ادا کرنے کا، جیسا کہ ارشاد باری ہے ’’کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا‘‘ اسی طرح جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کیلئے حکم ہورہا ہے ’’وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ‘‘۔ ورخشوع کا ’’اَلَّذِیْنَ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خَاشِعُوْنَ‘‘ صاحبو! اس آیت سے یہ خیال ہورہا ہوگا کہ نماز میں خشوع ہونا چاہئے اگر خشوع نہ ہوتو پھر ایسی نماز سے کیا فائدہ۔ اس پر مجھے یہ حکایت یاد آئی۔

**حکایت**:- نور جہاں کی شروع جوانی میں شہنشاہ جہانگیر نے اس کے دو ہاتھ

میں دو کبوتر دیئے کہ اس کو تھامو کہ وہ کہیں جا کر آئے، اس کے آنے تک ایک کبوتر ہاتھ سے نکل گیا، جہانگیر نے آکر پوچھا کہ وہ دوسرا کبوتر کیا ہوا، تو نور جہاں نے کہا چھوٹ گیا، جہانگیر نے کہا کیسے چھوٹ گیا، نور جہاں نے کہا ایسے، اور یہ کہہ کر دوسرا اکتوبر بھی چھوڑ کر بتلا دیا۔

اسی طرح یہ نہیں کہ نماز تو خشوع کے ساتھ ہونی چاہئے، اگر خشوع نہ ہو تو نماز بھی چھوڑ دو۔

صاحبو! خشوع کیا مشکل ہے، لایعنی حرکات نہ کیجئے، جیسے کھجلانا، کپڑوں سے کھیلنا وغیرہ، جیسے بادشاہوں کے سامنے چپ کھڑے رہتے ہیں ایسا ہی کھڑے رہنا، یہ کیا مشکل ہے، غرض اس اہتمام سے نماز کا حکم ہوا، بعضوں نے قبول ہی نہ کیا، قبول نہ کرنے والوں کا سردار ابوجہل تھا "فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى"۔ (پ ۲۹۔ رکوع ۲۔ سورۂ قیامۃ) اور ان کا ٹھکانہ ہے سقر "مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ٥ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ٥ (پ ۲۹۔ رکوع ۲ سورۂ مدثر) اور بعضوں نے قبول کیا اور نہیں کرتے "فَخَلَفَ مِنْ م بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ" (پ ۱۶۔ رکوع ۴ سورۂ مریم) ان کا ٹھکانہ غی ہے "فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ٥ (پ ۱۶۔ رکوع ۴۔ سورۂ مریم) یہ وہ مقام ہے کہ جس سے خود دوزخ ہر روز (۷۰) مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ بعض کبھی ادا کرتے ہیں اور کبھی نہیں کرتے وہ منافق ہیں "وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى" (پ ۵۔ رکوع ۲۱۔ سورۂ نساء) ان کا ٹھکانہ ویل ہے، اور بعض قبول کئے، اعتدال کے ساتھ وقتوں پر پڑھتے ہیں، ان کے سردار محمد ﷺ ہیں اور ان کا ٹھکانہ فردوس ہے "اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ ٥ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط"۔

(پ ۱۸۔ رکوع ۱۔ سورۂ مومنون ) ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں، جو فردوس کے وارث ہوں گے۔

صاحبو! غرض اعتدال سے نماز پڑھنے والوں کے سردار رسول ﷺ ہیں، اس بارے میں میں آپ کو ایک خاص بات کہنا چاہتا ہوں، ذرا غور سے سنئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے ''وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط'' مدد لو صبر سے اور نماز سے اس کے ترجمہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ استعانت صبر اور صلوٰۃ کے لیے ایک مشترک بات ہے، اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ استعانت لو۔ اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود اور کچھ ہے جس میں نماز اور صبر سے مدد حاصل کرنے کا امر کیا گیا ہے اور اصل مقصود صبر اور صلوٰۃ دونوں میں مشترک ہے۔ ''وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ '' ترجمہ یہ ہوا کہ صبر اور نماز سے تو مدد حاصل کرنے کا امر کیا گیا ہے جیسے محاورہ میں کہتے ہیں کہ قلم سے مدد لو، یعنی کتابت میں اس سے مدد لو تو جو شخص جانتا ہے کہ قلم کس کام کا آلہ ہے تو وہ بغیر ذکر کتابت کے بھی اسی کو سمجھے گا، اور جو کتابت نہیں جانتا، وہ بھی زبان فہمی کی وجہ سے اتنا ضرور سمجھے گا کہ مقصود کوئی اور چیز ہے جس میں قلم سے مدد لی جاتی ہے، اِسی طرح اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر اور صلوٰۃ ذریعہ ہے اور مقصود دوسرا ہے، اب اس کو سمجھئے کہ وہ مقصود کیا ہے جس کیلئے ان دونوں کو آلہ بنایا گیا ہے، آیات قرآنیہ میں اگر غور کیا جائے تو یہ معین ہو جاتا ہے، آیات تو بہت ہیں مگر سب سے زیادہ صریح آیت '' وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ '( میں نے

جن وانس کونہیں پیدا کیا مگر اس لئے وہ میری عبادت کریں) اس لئے معلوم ہوا کہ اصل مقصود عبادت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مدد حاصل کرو، صبر وصلوٰۃ کے ذریعہ سے عبادت میں جو کہ اصل مقصود ہے۔

صاحبو! عبادت میں تقویٰ اختیار کیا جاتا ہے تم خود اس بارے میں تجویز مت کرو، بلکہ کسی محقق سے مشورہ کرو، کیونکہ طبیب نسخہ میں ایسا تصرف کرتا ہے جو دوسرا نہیں کرسکتا پس شیخ کامل سے رجوع کیا جائے وہ تمہاری حالت کودیکھ کر جو درجہ تقویٰ کا تجویز کرے اُس کو اختیار کرو، لیکن شیخ کے اس تصرف کوشرعی فتویٰ نہ سمجھا جائے بلکہ عارضی معالجہ سمجھا جائے کیونکہ بعض وقت کوئی عارضہ ایسا قوی ہوتا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اصل مرض کی طرف توجہ نہیں ہوسکتی، اس وقت طبیب اس کی کوشش کرتا ہے کہ اوّل اس عارضہ کو دُور کرے، اس کے بعد اصل مرض کی طرف توجہ کرتا ہے، اطبائے روحانی بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

غرض خود اپنی رائے سے کوئی درجہ تقویٰ کا اپنے واسطے اختیار نہ کرو، بلکہ شیخ سے تجویز کراؤ، اسی طرح جس طرح بعض طبیب بخار کیلئے کونین تجویز کرتے ہیں لیکن اس کی تلخی دور نہیں کرتے، اور اگر مریض تلخی کی شکایت کرے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ دوا یہی ہے کھانا ہے کھاؤ ورنہ جاؤ، لیکن شفیق ڈاکٹر اس پر مٹھائی لپیٹ کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کو منہ میں ڈال کر نگل جاؤ چبانا نہیں۔ بلاتشبیہ یہی معاملہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کیا ہے کہ تدبیر بھی آسان بتلائی اور اس میں جو گرانی تھی اس کو دُور کرنے کا طریقہ بھی بتلایا۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہیں کہ ہم عبادت اچھی طرح کریں لیکن

عبادت کرنے میں نفس کی مزاحمت کی وجہ سے تنگی معلوم ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں ایک تدبیر کے ذریعہ دور کرتے ہیں اور وہ یہ کہ صبر اور نماز سے مدد لو۔

صاحبو سنو! عبادت میں دو چیزوں سے مدد لینے کیلئے اس لئے فرمایا کہ

## ● طاعت کی بھی دو قسمیں ہیں :-

(۱) ایک وہ ہیں جن میں کام کرنا پڑتا ہے جیسے تقویٰ کرنا، محبت الٰہی حاصل کرنا، اخلاص دل میں پیدا کرنا وغیرہ، یہ کرنے کے کام ہیں ان کو اعمال وجودیہ کہتے ہیں۔

(۲) بعض وہ ہیں جن میں کچھ کام چھوڑنا پڑتا ہے جیسے غیبت نہ کرنا، چوری نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا وغیرہ، یہ چھوڑنے کے کام ہیں۔

ان دونوں میں ایک قسم کی تنگی ہے، مثلاً نماز کا وقت آ گیا تو سستی کی وجہ سے نہیں اٹھ سکتے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ”طاعت وجودیہ“ یعنی کرنے کے طاعتوں میں کچھ پابندیاں ہوتی ہیں جس سے نفس گھبراتا ہے، کیوں کہ نفس آزادی چاہتا ہے اور یہ پابندی کچھ طاعت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر عمل وجودی میں کچھ پابندی ہوتی ہے، مثلاً مٹھائی کھانا ایک عمل ہے اس میں بھی ایک پابندی ہے وہ یہ کہ ہاتھ چلاؤ، مٹھائی تک ہاتھ لے جاؤ اور چیز منھ میں ڈالو چباؤ اور نگلو۔ غرض سستی کی اصل وجہ یہ ہے کہ نفس پابندی سے گھبراتا ہے، یہ تو اعمال وجودیہ کی تنگی کا سبب ہے۔

اور جو کام نہ کرنے کے ہیں ان میں کچھ کرنا تو نہیں پڑتا بلکہ صرف چھوڑنا ہی چھوڑنا ہے مگر وہ اعمال وجودیہ سے بھی زیادہ شاق ہیں، ان میں جو مشقت ہوتی ہے اس کی وجہ ایک مثال کے ذریعہ سمجھئے :-

سنو صاحبو ! غیبت میں کچھ کرنا تو نہیں پڑتا بلکہ کچھ ترک ہی کرنا پڑتا ہے غیبت میں اس لئے مزہ آتا ہے کہ اس میں دوسرے کی عزّت کم ہوتی ہے، اور اس وجہ س بھی کہ اس میں حظ نفس ہے، کیونکہ نفس میں تکبّر ہے وہ سب سے بڑ بننا چاہتا ہے۔ غرض ترک غیبت میں حظ ہے، غرض تمام محرمات کا ترک اس لئے مشکل ہے کہ حرام میں لذت ہے، چنانچہ نفس کو ناگوار باتوں کا عادی بنایا جائے اور خواہش نفس کی مخالفت کی جائے تو حظ نفس فوت ہوجاتا ہے اسی لئے جو شخص مخالفت نفس کا عادی ہوگا اس کو تمام بُرائیاں ترک کرنا آسان ہوجائیگا چنانچہ ان سب کی دشواری دُور کرنے کیلئے صبر کی تعلیم کی گئی ہے کہ نفس کو ناگوار امور کا عادی بناؤ، نفس کی مخالفت کرو، اور اس کی خواہش کو پورا نہ کرو۔

اعمال وجودیہ اِس لئے شاق ہیں کہ ان میں پابندی ہے۔

اور یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صبر اور صلوٰۃ تو خود مشکل ہیں، پس لازم یہ تھا کہ اس سے بھی آسان تدبیر بتائی جاتی، اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں دیگر اعمال کے اعتبار سے آسان تدبیر بتائی جاتی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں دیگر اعمال کے اعتبار سے آسان ہیں زیادہ دشوار نہیں۔

چنانچہ نماز سے تمام طاعتوں میں کام لیا گیا ہے کہ نماز کا عادی بنا کر اس کو تمام احکام کا عادی بنانا سہل ہوگیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام میں تعلیم عقائد کے بعد اعمال میں سب سے پہلے نماز اور صبر کی تعلیم دی گئی ہے، چنانچہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے مسلمان زیادہ تر اِن ہی دو باتوں کے مکلّف تھے یعنی نماز کے اور کفار کی ایذاؤں پر صبر کے، غرض اس سے معلوم ہوا کہ نماز اور صبر کی

پابندی کو تمام اعمال کی ادائی میں بڑا دخل ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے ہم کو دو کاموں کی تعلیم دی ہے، اگر ان کو کرتے رہیں گے تو سب احکام پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔

سنو صاحبو! صبر اور نماز میں خاصیت ہی یہی ہے کہ ان سے تمام طاعتیں آسان ہو جاتی ہیں، کیوں کہ نمازیں جامعیت کی شان ہے یعنی جتنی طاعتیں دین میں ہے وہ اکثر نماز میں موجود ہیں۔ اس میں روزہ بھی ہے اور زکوٰۃ بھی، حج بھی اور اعتکاف بھی۔

میرے دوستو! مفرد دوا سے اگر کسی مریض کو صحت ہوتی ہو تو اگر اس کو کوئی مفید دواؤں کا خمیرہ یا معجون دیا جائے تو بہت فائدہ ہوگا، ایسا ہی روزہ، خلوت، حج، اعتکاف، تلاوت قرآن، سبحان اللہ پڑھنا جو نصف میزان ہے، دُعا جو مخ العبادة ہے درود شریف، اولیاء اللہ کا ذکر جو باعث رحمت الٰہی ہے، زکواۃ، قربانی وغیرہ ان میں سے ہر ایک کے کتنے فضائل ہیں ان سے ہم ناواقف نہیں، لیکن اگر کسی ایک عبادت میں یہ سب جمع ہو جائیں تو اس عبادت کی کیا فضیلت ہوگی۔

سنو صاحبو! وہ عبادت نماز ہے، ایک نسخہ مرکب ہے کہ جس میں یہ کُل عبادتیں ہیں پھر لطف یہ کہ پانچ منٹ میں یہ کل عبادتیں حاصل ہو جاتی ہیں، اگر بے اطمینانی وگڑبڑ سے پڑھیں تو سکنڈوں میں پار ہے۔

**حکایت** :- ایک انگریز کی ماتحتی میں ایک سررشتہ دار صاحب تھے اور ایک نائب سررشتہ دار دونوں مسجد میں نماز پڑھنے جاتے، نائب سررشتہ دار کو نماز میں دیر لگتی اور سررشتہ دار صاحب جلدی جلدی ٹکریں مار کر چلتے آتے، ایک روز انگریز نے کہا کہ سررشتہ دار

صاحب تم بہت جلد آجاتے ہو، نائب بہت دیر میں آتا ہے یہ کیا بات ہے؟ تو سررشتہ دار صاحب نے کہا کہ حضور بات یہ ہے کہ نائب سررشتہ دار خود اپنی ذات سے نماز سیکھے ہیں، اچھی طرح نماز ان کو یاد نہیں، سوچ سوچ کر پڑھتے ہیں، اور میرے بڑوں سے نماز چلی آئی ہے مجھ کو خوب مشق ہے خوب یاد ہے، اس لئے جلد پڑھ کر چلا آتا ہوں اور نائب اٹک اٹک کر پڑھتے ہیں اس لئے ان کو دیر لگتی ہے۔ کسی نے سُن کر کہا کہ یہ نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ نماز میں جو کچھ پڑھنا ہے وہ سررشتہ دار صاحب گھر میں پڑھ کر آتے ہیں صرف اٹھک بیٹھک باقی رہ گئی ہے وہ یہاں ادا کرتے ہیں، اس لئے سررشتہ دار صاحب جلد فارغ ہوجاتے ہیں ، بے چارے نائب کو سب یہیں پڑھنا پڑتا ہے، اس لئے دیر لگتی ہے۔

**حکایت** :- ایک گاؤں میں عید کی نماز کے واسطے جھگڑا ہوا، ایک شخص نے کہا کہ میں پڑھاؤں گا، دوسرے نے کہا کہ میں پڑھاؤں گا، کچھ لوگ اس کے ساتھ ہوئے اور کچھ لوگ دوسرے کے، اور ان دونوں نے ایک ساتھ نماز شروع کردی ان میں سے ایک کا اَلْحَمْدُ پہلے ختم ہوا، ابھی دوسرے کا ختم نہیں ہوا تھا، تو یہ اَلْحَمْدُ ختم کر کے ٹھیر گیا اس خیال سے کہ دوسرا جو سورہ پڑھے گا میں اس سے چھوٹا سورہ پڑھ کر نماز ختم کردوں گا دوسرے نے جو سورہ شروع کیا تھا اس سے چھوٹا سورہ یہ پڑھ کر رکوع میں گیا تو دوسرے امام کا ایک مقتدی بھی رکوع میں گیا تو اس کے بازو والے نے کہنی مار کر کہا اونھ ! اس کا مطلب یہ کہ ہمارا امام رکوع میں نہیں گیا ہے۔ تُو کیوں رکوع میں جاتا ہے۔

اگرچہ ہم کو اس سے ہنسی آتی ہے مگر ہم خود بھی ایسا ہی کر رہے ہیں جتنی جلدی ہے وہ سب نماز کیلئے ہی رکھی گئی ہے۔

غرض ایسی نماز نہیں بلکہ اطمینان کی نماز بھی چند منٹوں میں ہو جاتی ہے، اور کُل عبادتیں بھی اس میں آجاتی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اور عبادتیں نہ کریں اور عبادتیں بھی کرنا ہوگا، جیسے گُل نہ رہے تو گلاب تو رہتا ہے، اسی طرح رمضان نہ رہے تو رمضان کا لطف نماز میں ہے، اس لئے کہ روزہ میں صرف تین چیزوں سے رکنا ہے۔

(۱) کھانا (۲) پینا (۳) جماع۔ نماز میں بھی ان تینوں چیزوں سے رکنا ہے، بلکہ روزہ سے بھی بڑھ کر، کیوں کہ روزہ میں بولنا ممنوع نہیں ہے لیکن نماز میں چلنے، پھرنے ہنسنے، بولنے سب کا روزہ ہے اور دنیا کیلئے رونے سے بھی روزہ ہے۔

سنو صاحبو ! اس پر ایک حکایت یاد آئی :-

**حکایت** :- ایک بزرگ ہمیشہ قرضدار رہتے تھے ان کا قرض لینا اللہ کے واسطے تھا بزرگوں کے پاس مہمان آیا کرتے ہیں، ان کے پاس بھی مہمان آتے، اگر اس وقت اُن کے پاس کچھ نہ ہوتا تو قرض لیتے، اس طرح یہ قرضدار ہوگئے تھے، ایک روز سارے قرضخواہ جمع ہوکر بیٹھے اور تقاضہ شروع کئے کہ ہم آپ کو بزرگ سمجھ کر قرض دیئے تھے ادا کرو، تنگ ہوکر وہ بزرگ منہ ڈھانک کر پڑ رہے، اتنے میں ایک لڑکا مٹھائی بیچنے والا نکلا، یہ بزرگ اس کو بلائے اور پوچھا کہ تیرے پاس کتنی مٹھائی ہے اس نے کہا دو روپے کی، یہ بزرگ سب خرید لئے اور جو لوگ تقاضہ کو بیٹھے تھے ان کو کھلا دیئے وہ مٹھائی بیچنے والا لڑکا قیمت مانگا تو جواب دیئے کہ قیمت ہوتی تو یہ برات

کیوں ہوتی لوگ اور بگڑے کہ بچے پر آپ نے ظلم کیا، اگر ہم کو پہلے سے معلوم ہوتا تو ہم نہ کھاتے، وہ لڑکا یہ دیکھ کر رونا شروع کیا کہ مجھے سیٹھ مارڈالے گا۔

تھوڑی دیر نہیں ہوئی تھی کہ ایک شخص کشتی میں اتنے ہی روپئے لایا جتنا کہ قرض تھا اور کاغذ میں مٹھائی کی قیمت بھی، ان بزرگ نے سب کا قرض ادا کردیا، لوگوں نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات تھی؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم لوگوں نے مجھ کو تنگ کیا تو میں نے اللہ سے عرض کیا کہ ان کا قرض ادا کردیجئے، کیوں کہ میں نے آپ ہی کیلئے قرض کیا ہے اِدھر سے جواب ملا اجی ہمارے خزانے میں کچھ کمی نہیں مگر تمہارے یہاں کوئی رونے والا نہیں، یہ سُن کر میں نے سونچا کہ کس کو رولاؤں، اس لئے میں نے مٹھائی والے کو رولادیا، ادھر اس کا رونا تھا کہ ادھر سے رحمت کا جوش ہوا، اور قرض ادا ہوگیا چنانچہ مولاناؒ فرماتے ہیں۔

تا نگرید کودک حلوا فروش　　　بحر بخشائش نمی آید بہ جوش

ترجمہ:- حلوا بیچنے والے کا لڑکا جب تک نہ روئے (رحمت الٰہی کا) دریا بخشش کے واسطے جوش میں نہیں آتا ہے۔

تو صاحبو! رونا ایسی چیز ہے مگر نماز میں آخرت کیلئے اور خدا کیلئے رونا جائز ہے اور دنیا کیلئے ناجائز۔

غرض روزے میں اِدھر اُدھر دیکھنا تو جائز ہے، مگر نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کا بھی روزہ ہے چنانچہ نماز میں نگاہ کا بھی روزہ ہے، دیگر عبادتوں میں لوگ بات کرنے سے نہیں رکتے مثلاً آپ روزہ ہیں لوگ آپ سے باتیں بھی کرتے ہیں، بخلاف نماز کے کہ جہاں آپ نے نماز شروع کی تمام لوگ آپ سے بات کرنے سے رک جاتے ہیں تو نماز میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوت ہوگئی: ۔

ہیچ گنجے بے درد و بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

ترجمہ:- کوئی خزانہ ایسا نہیں ہے جس میں درد و محنت اور دام نہو۔ حق کے خلوت گاہ (یعنی تنہائی کی جگہ) کے سوا آرام نہیں ہے۔

نماز کیا بہتر چیز ہے کہ اس کی وجہ سے خلوت بھی نصیب ہوگی اگر بادشاہ بھی چاہے تو اس وقت آپ کی خلوت میں خلل نہیں ڈال سکتا۔ غرض جب خدا کے ساتھ خلوت چاہو نماز شروع کردو۔

صاحبو! حج کی حقیقت تعلق بالبیت (اللہ کا گھر) ہے، قلب میں بھی ظاہر میں بھی، قلب میں اس طرح کہ آپ نے استقبال قبلہ کی نیت کی، ظاہرہ رخ بھی کعبہ کی طرف ہوتا ہے تو جو شخص نماز پڑھے گا اس کو برکات حج حاصل ہوں گے۔

اعتکاف گناہوں سے روکنا ہے، نماز میں تمام گناہوں سے رُک جاتے ہیں اس لئے نماز میں اعتکاف بھی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے۔ ''اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَر'' کہ نماز بے حیائی کے کاموں سے اور بُرے کاموں سے روکتی ہے اس پر شاید یہ سوال کسی کے دل میں آیا ہوگا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نمازی بھی بُرے کام کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کا فحشا اور منکر سے منع کرنا ایسا ہے جیسے یوں کہتے ہیں کہ قانون چوری، زنا، غضب، ظلم، وغیرہ سے روکتا ہے، اس کے معنی یہ نہیں کہ قانون ہاتھ پکڑ کر روک دیتا ہے بلکہ معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ قانون کا مقتضیٰ یہ ہے کہ غضب نہ کرو، رشوت نہ لو وغیرہ اِسی طرح کہا جاتا ہے کہ باپ کی عظمت بے ادبی سے روکتی ہے یعنے باپ کی عظمت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس کی بے ادبی نہ کی جائے، یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ نماز کا مقتضیٰ ہے فحشاء سے روکنا، کیوں کہ اب وہ درباری ہوگیا ہے اور درباری بننے کے بعد اس سے

ایسے افعال کا صادر ہونا جو درباریوں کے شان کے مناسب نہ ہوں ممکن نہیں ہے کہ آج تو عبادت میں خشوع ظاہر کر رہا ہے اور کل اس کے خلاف کر رہا ہے تو نماز کی یہ بھی خاصیت ہے کہ وہ محرمات سے روکتی ہے۔

تلاوت قرآن کے جو فضائل آئے ہیں وہ قرأت نماز میں بھی ہے اس لئے جو نماز پڑھے گا اس کو تلاوت قرآن کے فضائل بھی حاصل ہوں گے۔

اذکار و تسبیح کے فضائل بھی نماز میں حاصل ہو جاتے ہیں کیوں کہ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہتے ہیں، اس لئے نمازی کو اذکار کے فضائل حاصل ہو جاتے ہیں۔

سورۂ فاتحہ میں دُعا بھی ہے اور آمین بھی اور نماز میں درود شریف بھی ہے۔ غرض نماز کسی برکت سے خالی نہیں، چنانچہ اولیاء اللہ کا ذکر اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ میں آجاتا ہے۔

سنو صاحبو! زکوٰۃ کی حقیقت انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا) ہے نماز میں زکوٰۃ بھی ہے کیونکہ نمازی کو ستر عورت کیلئے انفاق فی سبیل اللہ کرنا ہوگا۔

قربانی کی حقیقت فنا کر دینا ہے نماز میں نفس کی قربانی ہے، کیوں کہ اس میں سارے خواہشات کو چھوڑ کر طرح طرح کے قیود میں مقید ہو کر نمازی اپنے ارادہ کو فنا کر دیتا ہے چنانچہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں :-

وَقتِ ذبح اللہ اکبر می کنی ہم چنیں در ذبح نفسِ کُشتنی

ترجمہ :- ذبح کے وقت اللہ اکبر کہتا ہے تو، اسی طرح (اللہ اکبر کہنے) میں نفس کو ذبح کیا جاتا ہے۔

غرض نماز وہ عبادت ہے کہ جس کے ادا کرنے سے تھوڑی دیر میں بہت سی

عبادتیں ادا ہو جاتی ہیں، اسی واسطے دن میں نماز پانچ وقت مقرر کی گئی ہے ، مگر افسوس آج کل نماز کی بالکل پرواہ نہیں رہی ہے، حالانکہ یہ اتنی بڑی چیز ہے، حضرات صحابہؓ فرماتے ہیں ''مَاکُنَّا نَرَیٰ تَرکَ شَیْئٍ کُفراً سِوَا الصَّلٰوۃِ اَوْنَحوہٖ '' یعنے ہم کسی کام کے چھوڑنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے بجز نماز کے کہ اس کا چھوڑنا کفر سمجھا جاتا تھا، کیونکہ نماز ہی ایسی چیز ہے کہ یہ مسلمانوں کا قومی امتیاز ہے اس لئے اس زمانہ میں اس امتیاز کی ہر مسلمان حفاظت کرتا تھا اور جو شخص نماز نہ پڑھتا ہو اس پر کفر کا شبہ ہوتا تھا اور حضرات صحابہؓ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ہم ترک صلوٰۃ کو کفر سمجھتے تھے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تارکِ صلوٰۃ حقیقتاً کافر ہو جاتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کوئی مسلمان تارکِ صلوٰۃ نہ تھا اگر کوئی تارکِ صلوٰۃ نظر آتا تو اس پر کافر ہونے کا شبہ ہوتا تھا۔

غرض نماز کی بڑی تاکید آئی ہے چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں ارادہ کرتا ہوں کہ ایک شخص کو مسجد میں امام بناؤں اور خود ان لوگوں کو تلاش کروں جو عشاء کی نماز میں حاضر نہیں ہوتے (اگرچہ ان کو کوئی عذر بھی نہیں ہے) پھر اپنے غلاموں کو حکم دوں کہ لکڑیاں جمع کر کے ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگا دوں ، اللہ اللہ حضورؐ کی تو ایسی شفقت اور رحمت ہے کہ باوجود یہ کہ کفار کو بھی آگ سے جلانا آپ کو گوارا نہیں تھا جیسا کہ حدیثوں میں وارد ہے مگر تارکِ صلوٰۃ کے لئے آپ نے اس کا ارادہ فرمایا، اس سے سمجھ لیجئے کہ جماعت کا شریعت میں کس قدر اہتمام ہے پس نماز کی پابندی کے ساتھ جماعت کی بھی پابندی کرنا چاہیئے، ہاں اگر کوئی عذر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، مگر عذر بھی آپ کا تراشا ہوا نہ ہو بلکہ شریعت کا مانا ہوا ہو۔

صاحبو! نماز کی فضیلت میں کیا بیان کروں، اس کی تاکید کے بارے میں تو آپ سن ہی چکے، اب اس کی فضیلت کے بارے میں سنئے اس کی خاص فضیلت یہ ہے کہ اسلام کے سارے فرائض و احکام زمین پر فرض ہوئے ہیں، اور نماز، معراج مُبارک کی رات میں عرش پر فرض ہوئی ہے۔

**حدیث** :- جب بندہ نماز پڑھنے کیلئے کھڑا ہوتا ہے اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر نیت باندھتا ہے اور جب اَللّٰہُ اَکْبَرُ منہ سے نکالتا ہے تو نمازی سارے گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو، جب نمازی اَعُوْذُ پڑھتا ہے تو نمازی کے بال بال کے بدلے نیکیاں ملتی ہیں، جب اَلْحَمْدُ پڑھتا ہے تو گھر بیٹھے حج اور عمرہ کا ثواب ملتا ہے، جب رکوع کرتا ہے ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ '' کہتا ہے تو جس قدر آسمان سے کتابیں نازل ہوئی ہیں، ان سب کے پڑھنے کا ثواب ملتا ہے جب ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه'' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندہ کو نظر رحمت سے دیکھتا ہے، جب نمازی سجدہ کرتا ہے تو سارے جن وانس کی گنتی کی موافق ثواب حاصل ہوتا ہے، جب سجدہ میں ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی '' کہتا ہے تو غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، جب اَلتَّحِیَاتُ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ صابرین کا ثواب دیتا ہے، جب سَلام پھیرتا ہے تو آٹھوں دروازے جنت کے اس کیلئے کھولے جاتے ہیں جس دروازہ سے چاہے جنت میں چلا جائے۔

**حدیث** :- جب نمازی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔

تو (ا) اس کے سر سے لے کر آسمان تک رحمتِ الٰہی کی گھٹا چھا جاتی ہے، نیکیاں مینھ کی طرح برسائی جاتی ہیں۔

(۲) فرشتے نمازی کے پیروں سے آسمان تک اس کے چاروں طرف جمع ہو جاتے ہیں اس کی زیارت کرتے ہیں۔

(۳) ایک فرشتہ پکارتا ہے، اے بندۂ نمازی اگر تو دیکھ لے کہ تیرے سامنے کون ہے اور تو کس سے باتیں کر رہا ہے تو وَاللّٰہِ قیامت تک سَلَام نہ پھیرے، نماز ہی میں مشغول رہے اور اسی حال میں مرجائے اور کبھی بس نہ کرے اور جس زمین پر نماز پڑھی جاتی ہے وہ ٹکڑا زمین کا اپنے چاروں طرف کے زمین کے سامنے فخر کرتا ہے اور خوش ہو کر اس نعمت کا اظہار کرتا ہے۔ ساتویں زمین تک مسجد کے نیچے والی زمین کے یہ ٹکڑے مقابل والے ٹکڑوں سے فخر کرتے چلتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں: ؎

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

جس ٹکڑے پر نماز پڑھی گئی وہ ایسا برکت والا ہو، شان والا ہو، تو نمازی کس قدر متبرک اور بزرگ نہ ہوگا۔

قیامت میں جب نمازیوں کو جنت میں جانے کا حکم ہوگا تو سب سے اول ایک جماعت سورج کی سی چمک کے چہرہ والے جنت میں جائیں گے تو ان سے فرشتے پوچھیں گے کہ تم کون لوگ تھے اور کیا عمل کرتے تھے کہ جس کے معاوضہ میں تم کو یہ درجہ ملا۔ یہ لوگ جواب میں کہیں گے کہ ہم مسلمان تھے اور نماز کے پابند تھے، ہمیشہ (۵) وقت اذاں کے پہلے مسجد میں آجاتے تھے۔

ایک دوسری جماعت چاند کے جیسے چہرہ والے جنت میں جائیں گے، فرشتے ان سے بھی اسی طرح پوچھیں گے تو یہ جواب دیں گے کہ ہم اذاں سنتے ہی مسجد میں پہونچتے تھے۔اور ایک جماعت تاروں کے جیسے چہرہ والی بھی ہوگی، جب ان سے فرشتے پوچھیں گے تو یہ جواب دیں گے کہ تکبیر وقت تک آکر جماعت میں شروع سے مل جاتے تھے۔

غرض نماز کے ہر رکوع کے بدلے میں ایک محل جنت میں اور ایک سجدہ کے بدلے ایک جھلک مولا کے دیدار کی نصیب ہوگی۔

اس لئے صاحبو !نماز زیادہ پڑھا کرو :-

صاحبو! سونچنے کی بات ہے کہ ستر ہزار سال کا عابد کہ اس کو ایک وقت حکم ہوا تھا سجدہ کرنے کا، وہ سجدہ نہ کر کے راندۂ درگاہ ہوا ، شیطان بنا، حالانکہ آدم علیہ السلام قابل سجدہ نہ تھے صرف حکم خدا تھا۔

شیطان بعض وقت کہتا ہے کہ توبہ سے کیا فائدہ ، پھر گناہ ہونگے اس سے کہو جب بیماری آتی ہے تو علاج کرتے ہیں، حالانکہ معلوم ہے کہ پھر بیماری آئیگی، جیسے اس وقت علاج کر کے تندرست ہو جاتے ہیں، پھر جب دوبارہ بیماری آتی ہے پھر دوبارہ علاج کرتے ہو، مگر ہر وقت کوشش کرتے رہتے ہیں کہ بیمار نہ ہوں، ایسا ہی اب تو گناہ سے توبہ کرو اور کوشش کرتے رہو کہ گناہ نہ ہونے پاویں، اگر گناہ ہو جائیں تو پھر توبہ کر لینا۔

صاحبو! اس لئے اب آپ نماز کی اور قرآن کے احکام کی پابندی کرو کہ ساری خرابیوں کی جڑ ان ہی چیزوں کو چھوڑنا ہے، اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی سنیئے۔

**حکایت** :- ایک بوڑھے نے ایک طبیب سے اپنا حال کہا کہ آنکھوں میں تیرگی ہے۔ طبیب نے کہا کہ یہ بڑھاپے کی وجہ سے ہے بوڑھے نے کہا میرا دم چڑھتا ہے طبیب نے کہا کہ یہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے، پھر اس نے کہا کہ مجھ کو بھوک نہیں لگتی، طبیب نے کہا یہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ غرض اس نے جو جو شکایت کی طبیب نے کہا کہ یہ بڑھاپے کی وجہ سے ہے، یہ سن کو بوڑھا بگڑ گیا اور غصہ میں آکر طبیب کو دھول لگایا، اور کہا کہ تو نے کیا سارے طب میں یہی پڑھا ہے کہ بڑھاپے سے، بڑھاپے سے، تب طبیب نے کہا کہ بڑے میاں، میں تمہارے مارنے اور غصہ ہونے سے برانہیں مانتا یہ بے موقع غصہ بھی بڑھاپے ہی سے ہے، غرض سب بیماریوں کی جڑ بڑھاپا ہے۔

ایسا ہی مسلمانو! آپ کے عقائد بگڑے ہوئے ہیں، چِلّوں کے پاس آپ منتیں مانگتے، چِلّے توچِلّے، دیو شیطان، بھوت کو مسلمان حاجت روا سمجھتے ہیں، یہ کیوں ہو رہا ہے، یہ قرآن چھوڑنے سے ہو رہا ہے، دیانت آپ سے چھوٹ گئی، نہ نماز ہے نہ روزہ نہ حج ہے نہ زکوٰۃ یہ کیوں؟ قرآن چھوڑنے سے، معاملات آپ کے بالکل خراب ہیں، بیوپار کریں گے تو دھوکہ دیں گے، خریدیں گے تو بائع کو ستائیں گے، زراعت کریں گے تو رہن زمین رکھ کر۔ غرض جو معاملہ کریں گے خدا اور رسول کے خلاف کریں گے۔ یہ کیوں ہو رہا ہے یہ قرآن چھوڑنے کی وجہ سے ہے، آپ کی طرز زندگی مسلمانوں کی طرح نہیں رہی، غیر مسلموں کی وضع زندگی بسر کر رہے ہیں، یہ کیوں؟ قرآن چھوڑنے سے، آپ کے اخلاق بالکل ابتر حالت میں ہیں، خُلق محمدی

ﷺ کی بو تک نہیں لگی ہے، یہ کیوں؟ قرآن چھوڑنے سے۔ غرض تمام خرابیوں کی جڑ قرآن چھوڑنا ہے، اسی واسطے ارشاد باری ہوتا ہے۔

اِتَّبِعُوا مَآاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَاتَتَّبِعُوا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ط۔

(پ ۸۔ رکوع ا۔ سورہ اعراف)۔

ترجمہ:- اتباع کرو اس کی جو اترا تمہارے لئے تمہارے رب کی طرف سے اور نہ چلو اس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے۔

خدا جانے مسلمان، مسلمانی کو کیا سمجھے ہوئے ہیں، قرآن کے ایک حرف پر بھی عمل نہیں، پھر مسلمان کے مسلمان۔ سچ کہو اگر ایک بادشاہ اپنے کسی غلام یا نوکر کو کسی ملک کا حاکم بنا کر بھیجے یہ وہاں جا کر حکومت کر رہا ہے، پھر بادشاہ کا دوسرا فرمان اشد ضروری یہ پہونچا کہ ہمارے لئے اسی شہر میں ایک محل ضرور تعمیر کراؤ۔ یہ اس فرمان کو بہت عزت کے ساتھ طاقچہ میں رکھا، لیکن محل تعمیر نہ کروایا۔ اگر وہ بادشاہ وہاں آئے اور سنے کہ اس نے اس کے فرمان کو بہت عزت سے تو رکھا لیکن محل تعمیر نہ کروایا تو بتلایئے کہ وہ بادشاہ اس کو خلعت وانعام دے گا یا سزا۔ اسی طرح آپ نے خدا کے فرمان کو جو قرآن ہے اور جو اسی واسطے بھیجا گیا ہے کہ دین کا محل تعمیر کیا جائے آپ نے اس کو صرف عزت سے رکھا اور دین کا محل تعمیر نہیں کیا تو بتلائے خدائے تعالیٰ بھی آپ کو ثواب دے گا یا عذاب۔

اے قرآن کے چھوڑنے والو! تم اور امتوں کے حالات سُنے ہوں گے، موسیٰ علیہ السلام جب توریت لے کر آئے تو اس وقت کے لوگ اس کے قبول کرنے

سے رُکے تو ہم نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا تو انھوں نے ایک پہاڑ کو جڑ سے اُکھاڑ کران کے سروں پر سائبان کے جیسا کھڑا کر دیا اور کہا کہ اس اللہ کی کتاب کو قبول کرو ، ورنہ پہاڑ گرا کر ہلاک کر دیئے جاؤ گے ، سب لوگوں نے جب دیکھا کہ قبول کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تو قبول کیا سجدہ میں گر کر عاجزی کرنے لگے تب پہاڑ ہٹ گیا، پھر جب انھوں نے آہستہ آہستہ کتاب الٰہی پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو ''وَکَمْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا ''۔(پ ۸۔ رکوع ا۔ سورۂ اعراف )۔ کتاب الٰہی کے چھوڑنے کی شامت میں ہم نے بہت سی بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا ''فَجَآءَ ھَا بَأْسُنَا بَیَاتًا اَوْھُمْ قَآئِلُوْنَ o '' پس ہمارا عذاب ان پر یکا یک آ گیا وہ رات کو بے خبر پڑے سوتے تھے یا دن کو قیلولہ کر رہے تھے یکا یک عذاب الٰہی نے آلیا ''فَمَا کَانَ دَعْوٰھُمْ اِذْجَآءَ ھُمْ بَأْسُنَا اِلَّآ اَنْ قَالُوْآ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ o '' پھر عذاب آنے کے بعد بجز اس کے کہ انھوں نے اقرار کیا کہ بے شک ہم کتاب الٰہی چھوڑنے کی وجہ سے ظالم تھے اور اقرار کے سِوا ان کو کچھ نہ بن پڑا ، اے قرآن کے چھوڑنے والو ! عبرت کی آنکھیں کھولو، ڈرو، غذاب الٰہی کے سینکڑوں طور ہیں، غفلت میں پڑے رہو گے اور اسی قرآن چھوڑنے کی شامت سے عذاب آیا اور آئے گا، جیسا کہ پچھلی امتوں پر آیا ہے چنانچہ قرآن میں بھی ایسا ہی مذکور ہے، اب بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بعض شہروں میں رات کو زلزلہ شروع ہوا ہزاروں ہلاک ہو گئے ۔ بعض جگہ رات کے وقت ندی میں طوفان آیا، لوگ بے فکر سو رہے تھے بے گنتی غارت ہو گئے، کیا یاد نہیں کہ طاعون اور وبا نے کیا کیا نہ کیا، بعض وقت ظالم بادشاہ کی وجہ سے سینکڑوں

ہلاک کردیئے گئے۔ جنگ بدر میں کفار کے مارے جانے کو خدا نے اپنا عذاب فرمایا ہے، جنگ یورپ میں کئی کروڑ مارے گئے، ہمارے پاس کا قاعدہ ہے کہ پہلے ڈھیل دی جاتی ہے، پھر معمولی چیز سے عذاب نازل کردیتے ہیں۔

**حکایت** :- نمرود نے جب ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو انکے خدا نے آگ سے بچا لیا، تو حکم دیا کہ میں ابراہیمؑ کے خدا کو دیکھنا چاہتا ہوں، اور حکم دیا کہ ایک ایسا محل بناؤ کہ جو ممکنہ طور پر آسمان سے قریب ہو جائے تب تین سال کے عرصہ میں پانچ ہزار گز کی بلندی کا، اور ایک میل عرض کا محل تیار کیا گیا، جب نمرود نے اس پر چڑھ کر آسمان کو دیکھا تو اس کو اسی طرح مزید بلند پایا جیسا کہ زمین سے تھا، دوسرے روز ایسی ہوا چلی کہ، وہ مکان گر گیا، جس کی وجہ سے بہت سی مخلوق ہلاک ہوگئی۔ پھر تو نمرود بہت بگڑا کہ ابراہیمؑ کے خدا نے میرے محل کو گرا دیا، اب اس سے جنگ کرنا ضروری ہے، آٹھ گِدھ پالا، ایک صندق مربع لیا، اور چار گدھ اوپر اور چار نیچے باندھا، پھر ایک مردہ جانور کو ایک بھالے پر لگا کر اوپر رکھا اور گدِھوں کو بھوکا رکھا، اس کے بعد صندوق میں خود اور ایک شخص کو بٹھایا، مردار کے واسطے گدِھ اُڑے اور کئی دن تک اوپر اُڑتے رہے لیکن آسمان کو قریب نہ پایا، اس کے ساتھی نے ایک تیر پھینکا۔ حکم ہوا ہمارے در سے اس کو مایوس مت واپس کرو، اس لئے اس تیر کو کسی پرندہ کے خون میں تر کر کے واپس کیا گیا، واپسی کیلئے نیچے کی طرف کے گدِھ کو مُردار جانور دکھائے جس کی وجہ سے وہ اُترنا شروع کئے۔ غرض اسی طرح سے مہلت دی گئی جب وقت قریب آگیا تو ایک مچھر سے عذاب دیا گیا، اسی طرح

اصحاب فیل کو ابابیل سے عذاب دیا گیا۔ غرض جب وہ چاہتے ہیں تو جس چیز سے چاہتے ہیں عذاب کر دیتے ہیں۔

صاحبو ! اب تک جو ہوا سو ہوا، اب بھی وقت ہے سنبھلنے کا:-

**حکایت** :- مولانا مثنوی شریف میں فرماتے ہیں کہ ایک تالاب تھا اس میں تین مچھلیاں تھیں، ایک روز شکاری اس تالاب پر آئے لیکن مچھلیوں کو اس کا پتہ چل گیا، پھر جب شکاری جال لانے کیلئے دوڑے تو اس کی بھی خبر مچھلیوں کو ہو گئی ان میں ایک مچھلی عقلمند تھی، اس نے کہا کہ اب مشورہ کا وقت نہیں ہے، تاہم کسی زندہ دل سے مشورہ کرنا چاہئے جو تجھ کو زندہ کر دے، وطن کی محبت نے میرے ساتھیوں کو کاہل اور احمق بنا دیا ہے، اُن کا مشورہ بھی مجھ کو کاہل اور احمق بنا دے گا، یہ کہہ کر:

سینہ را پا ساخت می رفت آں خدور
از مقام باخطرتا بحر نور

ترجمہ: وہ سینہ کو پاؤں بنا کر خطرناک مقام سے دریائے نور تک چلی گئی۔

ہمچو آھو کز پئے او سگ بود
می رود تا در تنش یک رگ بود

ترجمہ: وہ مثلِ ہرن اس کے پیچھے کتا تھا۔ دوڑتی رہی جب تک کہ جسم میں ایک رگ رہی۔

خوابِ خرگوش و سگ در پئے خطاست
خوابِ خود در چشم تر سیدہ کجا ست

ترجمہ: خرگوش کی نیند، کتے کی (بیداری) سب بیکار، چشم ترسیدہ خوف والونکو کھانا سونا کہاں نصیب۔

آں چہار بسیار دید و عاقبت
رفت آخر سوی امن و عافیت

ترجمہ: وہ یعنی بہت اس طرح (سیر وتماشہ) دیکھے آخرکار امن وعافیت کی طرف چلے گئے۔

غرض اس کنٹھ سے نکل کر تڑپتے تڑپتے دریا میں گرگئی، گوتھوڑی تکلیف سہی مگر جان سے بچ گئی، اتنے میں شکاری جال لے کر آگئے۔ دوسری مچھلی نیم عاقل تھی، وہ گھبرائی اور کہنے لگی کہ ہائے میں نے کیا عمدہ موقع کھودیا، بہت پچھتائی بڑی حسرت وندامت اٹھائی۔ اس کو سب سے بڑی حسرت یہ تھی کہ میں نے عقلمند ساتھی کو کھودیا۔ اس نے کہا خیر جو ہوا سو ہوا، اب بھی موقع ہے کہ کچھ تدبیر کروں یہ کہہ کر خود کو مردہ بنا کر پانی پر کچرے کی طرح پڑی رہی، شکاری افسوس کرکے اس کو اٹھا کر باہر پھینک دیئے اور ندی کی مچھلی کے پکڑنے کی فکر کرنے لگے، وہ مچھلی موقع پا کر تڑپتے تڑپتے دریا میں جاگری، مرنے کے پہلے مرنے سے بچ گئی۔ تیسری مچھلی احمق تھی اس کو کچھ نہ سوجھا پانی کے اندر خوش خوش پھر رہی تھی، دام گرا، دام میں پکڑی گئی۔ جب توے پر تلی جانے لگی تو کہنے لگی:۔

| | |
|---|---|
| بازمی گفت کہ گر ایں بار من | پھر کہی کہ اگر یہ میرے معشوق |
| واز ہم زیں محبت گردن شکن | گردن شکن کی صحبت سے چھٹکارا پاؤں تو۔ |
| می نسازم جز بہ دریائے وطن | میں اپنا وطن سوائے دریا کے کہیں اور نہ بناؤنگی |

آں گرے زا نسازم می سکن   اس جیسے مقام کے جیسا کہیں اور سکونت اختیار نہ کرونگی

ایسا ہی دنیا کے تالاب میں ہم سب ہیں، اس وقت مشورہ کا وقت نہیں ہے دنیا کی محبت نے مردہ دل بنا دیا ہے، اس لئے عقلمند وہی تھے جو اس وقت مشورہ نہ کرکے قرآن کے دریا میں جا گرے، اب دنیا کے عذاب لگاتار شروع ہو گئے ہیں، اگر نیم عاقل ہو تو اب بھی موقع ہے خود کو مردہ بناؤ، لوگ اس شکاری کی طرح تم کو اپنے سے علیحدہ کر کے پھینک دیں گے، کچھ مضائقہ نہیں، تم کہتے کہتے قرآن کے دریا میں جا گرو تو دوزخ کے توے پر تلے جانے سے بچ جاؤ گے، ورنہ یاد رکھو تیسری مچھلی کی طرح تم خوش خوش گناہوں میں رہو گے، دنیا کے عذاب الٰہی کا جال پڑ جائے پھر دوزخ کے توے پر تلے جاؤ گے اس وقت کہو گے کہ اگر اس بار چھوٹ جاؤں تو پھر دریائے قرآن میں رہوں گا، دنیا کے رسم و رواج کے اور گناہوں کے کنٹوں میں نہ رہوں گا، جب یہ آرزو کرو گے تو ملائکہ کہیں گے ”اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَذِیْرٌ“ ۝ (پ۲۹۔ رکوع ۱۔ سورہ ملک) کیا ڈرانے والے نہیں آئے تھے، اور یہ نہیں سنائے تھے کہ ”فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ۝“ (پ۸۔ رکوع ۱۔ سورہ اعراف)۔ پیغمبروں سے پوچھا جائے گا کہ تم ہمارے احکام پہونچائے یا نہیں، امت سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا سنا اور کیا عمل کیا۔ جب جانوروں کا حساب ہو چکے گا تو اللہ تعالیٰ آدمیوں کی طرف متوجہ ہوگا، سب سے پہلے لوح کو بلایا جائے گا، لوح کانپتے تھرتھراتے حاضر ہوگا، ارشاد ہوگا کہ کیا ہمارے احکام پہنچا دیئے؟ لوح عرض کرے گا ہاں پروردگار پہنچا دیا تھا۔ حکم ہوگا کون گواہ ہیں عرض کرے گا الٰہی اسرافیل

علیہ السلام گواہ ہیں۔حکم ہوگا بلاؤ۔ اسرافیل علیہ السلام گھبرائے ہوئے حاضر ہوں گے حکم ہوگا کیا لوح نے ہمارے احکام تجھ کو دیئے؟ اسرافیل علیہ السلام جواب دیں گے کہ ہاں۔ یہ سنکر لوح کہے گا۔شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھ کو عذاب سے نجات دی۔ تب اسرافیل علیہ السلام سے حکم ہوگا کہ تم نے ہمارے احکام کیا کئے، عرض کریں گے کہ جبرئیل علیہ السلام کو دیا۔حکم ہوگا بلاؤ۔ جبرئیلؑ کو جبرئیل علیہ السلام بھی ڈرتے کانپتے حاضر ہوں گے۔کہیں گے کہ بے شک اسرافیل علیہ السلام نے مجھ کو آپ کے احکام دیئے اور میں نے انبیاء تک ان کو پہنچادیا، تب پیغمبر حاضر کئے جائیں گے، حکم ہوگا تم نے کیا کیا، وہ کہیں گے امت کو ہم آپ کے احکام پہنچادیئے، اس وقت امت سے سوال ہوگا کہ کیا تم کتاب الٰہی پر عمل کیے۔ بتلایئے اس وقت کیا جواب دوگے؟

صاحبو ! ابھی سے سونچ رکھو اور قرآن شریف پر عمل کرنے کیلئے تیار ہوجاؤ کیونکہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع میں فرمائے ہیں کہ اے لوگو! تم قیامت میں پوچھے جاؤگے۔

صاحبو! قرآن پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہم سے دنیا بھی گئی اور آخرت میں بھی ہم رسوا ہوں گے۔ اس کی کچھ تفصیل تو اوپر گذری، اب میں آپ کو قرآن کی فضیلت اور اس کے دنیا اور آخرت کیلئے مسلمانوں کے حق میں رحمت ہونے کے بارے میں تفصیل سے کہنا چاہتا ہوں ذرا غور سے سنئے۔

قرآن شریف حضور کا بہت بڑا معجزہ ہے، قرآن سے عجیب وغریب راز

کھلتے ہیں مثلاً دل کی آنکھ دیکھنے لگتی ہے، توحید، نبوت، معاد وغیرہ پر مشاہدہ ہوتا ہے اس لئے قرآن بصائر ہے، جس کی وجہ سے بھٹکے ہوؤں کو ہدایت ہوتی ہے، عام مسلمانوں کیلئے رحمت ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے ''هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ''(پ ۹۔ رکوع ۲۴۔ سورۂ اعراف)۔ (یہ گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت ورحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں)۔

چنانچہ دارمی کی حدیث میں مذکور ہے کہ قرآن پاک کی ایک آیت (۷) زمین، (۷) آسمان کے (۱۴) طبق کی مخلوق سے افضل ہے، اللہ کے نزدیک بہت بہتر ہے۔

مسلمانو! خدا کی رحمت کا کچھ ٹھکانہ ہے کہ ایک آیت کی یہ شان ہے اور اس شان کی ہزار ہا آیتیں تم کو دیا تو پورے قرآن کی کیا شان ہوگی، افسوس جن کے پاس ایسی رحمتوں کے خزانے ہوں پھر بھی وہ دنیا میں ذلیل ہیں اور آخرت میں دوزخ میں جائیں گے۔ افسوس ہے ایسے رحمت وہدایت کے خزانے کو ہاتھ نہیں لگا رہے ہیں، اس میں خدا کا کیا نقصان ہے، ہم خود کو برباد کر رہے ہیں۔

سنو صاحبو ! قرآن کے ہر حرف کے بدلے (۱۰) نیکیاں لکھی جاتی ہیں، دس (۱۰) گناہ مٹائے جاتے ہیں اور دس (۱۰) درجے جنت میں بڑھائے جاتے ہیں، اسی طرح قرآن کے جو ایک کروڑ ۲۷ ہزار حروف ہیں کتنی نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اس کا آپ خود اندازہ کرلیجئے ،اور ہر نیکی اُحد کے پہاڑ کے برابر ہوگی، ذرا سونچو، اس سے بڑھکر قرآن اور کس طرح خدا کی رحمت کا مظہر ہوگا، کروڑ ہا نیکیاں

تمام عمر بھی نہ کرسکیں تب بھی ایک قرآن کے ختم کرنے سے مل جاتے ہیں۔ پھر اگر نماز میں کھڑے ہو کر پڑھیں تو ایک حرف کے بدلے سو نیکیاں ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ خدا نے اس میں وہ روحانی لذت رکھی ہے کہ آنکھوں سے رولانا، آنسوؤں کی لڑیاں جاری کر دینا اس کی ایک ادنیٰ صفت ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

"وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ"۔

(پ ۷۔ رکوع ۱۱۔ سورۂ مائدہ)۔ (اور جب سنے جو اُترا رسول پر تو تُو دیکھے گا ان کی آنکھیں ابلی ہیں آنسوؤں سے) یوں روحانی لذت عام کر دی گئی ہے یہ کیسی خدا کی رحمت ہے، قرآن مجید میں دین جو اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اس کا ذکر تو موجود ہے ہی، دنیا کی دولت بھی اس میں بے انتہا موجود ہے چنانچہ ہندوستان میں ایک یاقوت رقم تھے، ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید (۸۰) (۹۰) ہزار روپیوں کو بکتا تھا، غرض لعل و جواہر کی بھی وہ منزلت نہ ہوگی جو ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کی تھی، ہند و ریاستیں تک ہزار ہا روپیہ پیشگی بھیج کر ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید منگوا کر بڑی عزت سے اپنے توشک خانہ میں رکھتے تھے۔

مسلمانو! سونچو اس کلام کے حروف کو خوب صورت طرز پر لکھنے سے یہ عزت، یہ مرتبہ ملا تو جو بندہ اس کے خوب صورت معنیٰ کو اپنے دل پر لکھے گا وہ دین و دنیا میں کتنی عزت پائے گا۔

**حکایت** :- ایک شخص کو اولا نہ ہوتی تھی، بڑی عمر میں ایک بیٹی پیدا ہوئی اس نے مارے خوشی کے یہ قسم کھائی کہ میں اس لڑکی کے جہیز میں دو جہاں کی دولت

دوں گا، کہنے کو تو اس نے کہہ دیا لیکن جب شادی کا وقت قریب آیا تو اس کو فکر ہوئی کہ میں نے یہ کیا کیا اور کہا، میری ہستی ہی کیا کہ میں دو جہاں کی دولت اپنی بیٹی کے جہیز میں دوں اور یہ سوچ رہا تھا کہ میں کیا دوں کہ میری قسم پوری ہو، اس پریشانی میں وہ ہر ایک عالم کے پاس جاتا تھا اور دریافت کرتا تھا لیکن کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکا، وہ زمانہ حضرت امام شافعیؒ کا تھا، یہ شخص آپ کے پاس بھی حاضر ہوا، اور اپنی مذکورہ پریشانی کا ذکر کیا، آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ تیری قسم کی تدبیر سہل ہے تو اپنی بیٹی کو قرآن سکھا اور رخصت کے وقت اس کے بغل میں قرآن مجید کا ایک نسخہ دیدے، خدا کی قسم تو نے اگر ایسا کیا تو تو نے اپنی بیٹی کے جہیز میں دو جہاں کی دولت دی، اور تیری قسم پوری ہوگئی۔

غرض یہ وہ کلام ہے جس کی برکت اور عظمت اور رحمت کی وجہ سے خشک پتھروں سے بھی میٹھا پانی بہتا ہے۔

شہر اندلس میں دو نصرانی راہب مسلمان ہوئے، کسی نے ان سے پوچھا کہ تم اپنے مذہب میں بڑے مضبوط تھے، تمہارے مسلمان ہونے کی کیا وجہ ہے انھوں نے کہا کہ ہم ایک گرجا میں تھے وہاں کا حاکم ہمارے پاس ایک غلام بھیجا جو مسلمان تھا اس کو قرآن کی چند آیتیں یاد تھیں وہ ہم کو قرآن کی آیتیں سناتا تھا تو ہم کو بہت مزہ آتا تھا اس لئے چند آیتیں ہم نے بھی یاد کرلیں۔ ان آیتوں میں یہ آیتیں بھی تھیں۔

"وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ط" (پ۵۔ رکوع ۵۔ سورۂ نسا)۔ (اور مانگو اللہ سے اس کا فضل)۔ "اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط" (پ۲۴۔ رکوع ۶۔ سورۂ مومن)

تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دونگا یعنے مانگنا تمہارا کام اور دینا میرا کام ہے، یہ آیتیں سن کر ہمارا دل کہتا تھا کہ کیا اچھی تعلیم ہے اور ہمارے دل میں یہ بھی تھا کہ کسی وقت اس کا امتحان بھی کریں، اتفاق سے ایک روز ہم عبادت خانہ میں کھانا کھا رہے تھے کہ یکا یک ہمارے حلق میں نوالہ اٹک گیا فوراً ہم نے شراب کا پیالہ منہ کو لگایا لیکن اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا، اس وقت اتفاق سے پانی پاس نہ تھا، ہم نے دل میں کہا الٰہی! تمہارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیری طرف سے یہ سنائے ہیں کہ "اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ط" "وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ط" اگر یہ تیرا کلام ہے تو کہیں سے ہم کو پانی دے، ہم یہ دعا کر رہی ہے تھے اچانک مکان کا ستون جو پتھر کا تھا اور سینکڑوں برس سے خشک کھڑا تھا پھٹ گیا، اس میں سے میٹھا پانی بہنے لگا یہ دیکھ کر ہم دوڑے اور چلوؤں سے پانی پینے لگے، جوں ہی نوالہ ہمارے حلق سے اترا وہ پانی بند ہوگیا یہ دیکھ کر ہم کو قرآن اور اسلام کی صداقت کا یقین ہوگیا اور ہم مسلمان ہوگئے۔

غرض خدائے تعالٰی اپنے قرآن کی برکت سے ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی اپنی رحمت کے چشمے بہار ہے ہیں۔

ظاہر میں تو ستون سے پانی بہایا جس نے دنیا کی موت سے ان کو بچالیا۔ باطن میں پتھر سے زیادہ سخت دل سے ایمان اور یقین کا چشمہ بہایا جس کی وجہ سے ہمیشہ کی موت اور دوزخ کا نوالہ بننے سے بچ گئے۔ اللہ اللہ کیا قرآن کی برکت ہے اور کیا قرآن کی رحمت ہے۔

یہ وہ شافی کلام ہے کہ لاعلاج امراض کو آن واحد میں دفع کر دیتا ہے۔

**حکایت** :۔ مسلمہ بن عبدالملک شاہان بنی امیہ سے تھا ایک وقت عین جنگ میں

وہ گھوڑے سے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ وہاں قریب میں ایک گرجا تھا اس کو اٹھا کر اس میں لے گئے، وہاں کے راہب نے پوچھا کہ اس کو کیا ہوا، لوگوں نے کہا اس کو ایک بیماری ہے کہ یکا یک گر کر بیہوش ہو جاتا ہے تب راہب اپنے پاس سے ایک کرتہ لایا اور کہا کہ اس کو پہناؤ، جوں ہی اس کو کرتہ پہنایا گیا تو کرتہ پہنتے ہی اس کو ہوش آ گیا، لوگوں کو سخت تعجب ہوا اور پوچھا کہ اس کرتہ میں کیا ہے، اس نے ان لوگوں کو دکھایا تو وہ کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے اندر قرآن کی چند آیتیں مع بسم اللہ لکھی ہوئی ہیں، اُس راہب نے ان سے کہا کہ ہزار ہا مخلوق اس کرتہ سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔

صاحبو! اس کے پاس تو چند آیتیں تھیں اور تم مسلمانو! کیسے خوش تقدیر ہو کہ سارا قرآن تمہارا ہے اگر تم چاہو تو جسمانی بیماریوں کا کیا ذکر، دل کی ساری بیماریوں کو اس پر عمل کر کے دور کر سکتے ہو۔

**حدیث** :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں کسی بستی پر عذاب اتارنا چاہتا ہوں لیکن جب دیکھتا ہونکہ وہاں بچے قرآن مجید پڑھ رہے ہیں تو عذاب بھیجنا موقوف کر دیتا ہوں۔

اللہ اللہ قرآن کیا رحمت ہے۔ صاحبو! اس بارے میں ایک حکایت سنو۔

**حکایت** :- یمن میں ایک مردہ کو دفن کیا گیا، جب لوگ واپس آئے تو قبر میں سے کسی کو پٹکنے کی سخت آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی ایک کالا کتا نکلا لوگوں میں ایک بزرگ بھی تھے، انھوں نے کتے سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ کتے نے جواب دیا کہ میں مردہ کا بُرا عمل ہوں، تب ان بزرگ نے کہا کہ یہ پٹکنے کی آواز کیا تھی، کہا یہ مردہ قرآن بہت

پڑھتا تھا، اس لئے اس کی قبر میں قرآن نے آکر مجھ کو پٹک کر باہر نکال دیا۔

اللہ اللہ قرآن کیا رحمت ہے، قبر میں بھی ساتھ رہتا ہے اور قبر کے ہر عذاب سے بچاتا ہے، جب سب عذاب دُور ہو جاتے ہیں تو کہتا ہے اے میرے پڑھنے والے سب عذابوں سے میں نے تجھ کو بچادیا۔ لیکن تجھ کو آرام نہیں ہے، اس لئے خدا سے عرض کر کے تیرے آرام کا سامان بھی کرتا ہوں، پھر جا کر فرش، لباس وغیرہ ہر طرح کا انتظام کرتا ہے، یہی نہیں صبح وشام آکر خبر بھی لیتا رہتا ہے، اسکے علاوہ قیامت کی تپتی ہوئی دھوپ میں قرآن آکر اپنے پڑھنے اور عمل کرنے والوں کو چُن چُن کر نکالے گا اور یہ کہے گا کہ دنیا میں تم میرے ساتھ رہے، اس لئے آؤ آج نبیوں اور رسولوں کے ساتھ خدا کے سایہ میں عرش کے نیچے رہو۔

کیوں مسلمانو! قرآن کیسی رحمت کی چیز ہے، سراپا رحمت ہے، دل کی آنکھ کھولنے والا ہے لیکن صاحبو ! یہ سب کب ہے جزدان میں رکھ کر طاقچہ میں رکھ دوگے تو نہیں بلکہ "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ " (پ۹۔ رکوع ۲۴۔ اعراف)۔ (اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان رکھو، اور چپ رہو، شائد تم پر رحم ہو)۔

چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ قرآن اس وقت رحمت ہوتا ہے کہ اگر واعظ کی مجلس ہو، قرآن پڑھا جارہا ہو، اور اس کے مطالب بیان کئے جارہے ہوں تو تم قرآن ہی کی طرف کان لگاؤ عمل کرنے کی نیت سے سنتے رہو اور خاموش رہو، یہ تو قرآن کہہ رہا ہے۔

لیکن بعض بے سمجھ قصداً باتیں کرتے رہتے ہیں تو وہ نمونہ بنتے ہیں کفار کا کیونکہ حضورؐ کے زمانہ میں بھی قرآن ہوتا رہتا تھا، اور وہ پریشان کرنے کیلئے باتیں کرتے رہتے تھے، اسی لئے کہا جارہا ہے کہ کان لگاؤ اور خاموش رہو، یہ کیوں کہا جارہا ہے؟ اس لئے کہ "لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ"۔ تاکہ قرآن کی برکت سے تم پر خدا کی رحمت نازل ہو۔

میاں سب رحمت ایک طرف اور یہ رحمت ایک طرف، جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ مسلمانو سچ کہو جس مجلس میں بادشاہ خود شریک ہو، اس مجلس کی شان کیا پوچھتے ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ، یہ بھی فرمائے ہیں کہ جس مجلس میں قرآن پڑھا جاتا ہو اور لوگ اس کے معنیٰ کے سننے میں غرق ہوگئے ہوں تو اس مجلس میں خدائے تعالیٰ خود برآمد ہوجاتا ہے، اللہ رے شان قرآن کے مجلس کی۔

مسلمانو! خدا کے ساتھ بیٹھنا چاہتے ہو تو آؤ قرآن کی مجلس میں بیٹھو تا کہ

(۱) دنیا میں قرآن کے ساتھ رہو۔

(۲) قبر میں قرآن کے ساتھ رہو۔

(۳) اور قیامت میں پیغمبروں کے ساتھ رہو۔

اور کیا رحمت چاہتے ہو، اگر قرآن نہ پڑھنا آتا ہو تو قرآن کی مجلس میں شرکت کرو، اور خالی الفاظ سنو کیونکہ سننے والے کو بھی ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں اور اگر قرآن کی مجلس میں بیٹھنے کا موقع بھی نہ ملے تو صرف قرآن کے لفظوں کو دیکھو، کیونکہ یہ بھی ثواب ہے، چنانچہ (۱) قرآن۔ (۲) کعبہ۔ (۳) ماں۔ (۴)

باپ اور (۵) عالم دیندار کی صورت دیکھنا بھی عبادت ہے، اگر سال بھر نہ سن سکے تو تراویح میں قرآن سنو، کیونکہ گھنٹہ دو گھنٹے کسی طرح گذر ہی جائیں گے اور ہر حرف کے بدلے سو نیکیاں ملیں گی، لیکن بعض وقت دیکھا جاتا ہے کہ قرآن ہوتا رہتا ہے اور باتیں ہوتی رہتی ہیں اور مذاق ہوتا رہتا ہے۔

صاحبو! جس مجلس میں بادشاہ آئے کیا وہاں بھی ایسا ہی باتیں کرو گے خدا جس مجلس میں برآمد ہو وہاں بھی باتوں سے ہم کو فرصت نہیں ہوتی۔

اللہ اللہ نماز جیسی چیز اس میں بھی یہی حکم ہوتا ہے کہ "وَاِذَا قُرِئَی الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا" جب نماز میں قرآن پڑھا جائے اور امام پڑھ رہا ہو تو کان لگائے رکھو اور خاموش سنتے رہو، جب نماز میں بھی قرآن پڑھتے وقت خاموشی کا حکم ہے تو بتلایئے کہ دوسرے وقت یعنے غیر نماز میں کیسے باتیں کرسکتے ہیں، اگر نماز میں قرآن پڑھا جارہا ہو، اور تم کو سنائی نہ دے تب بھی خاموش رہو، اسی واسطے جہری نماز کیلئے "فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ" اور سری نماز کیلئے "وَاَنْصِتُوْا" آیا ہے اسی لئے خطبہ کے وقت بھی چونکہ قرآن یا قرآن کے مطالب بیان ہوتے رہتے ہیں، بات تو بات نماز، درود، دُعائے اذاں سب ممنوع ہیں۔

غرض صاحبو! جب تم قرآن کی مجلس میں جاؤ گے، پڑھو گے اور سنو گے تو قرآن تم میں پورا اثر کرے گا اور تم فرشتوں کے مشابہ ہو جاؤ گے، چلتے پھرتے کھاتے پیتے، اٹھتے بیٹھتے، خدا ہی کا دھیان رہے گا۔ غرض قرآن جب اپنا اثر کرے گا تو رہ رہ کر خدا یاد آئے گا، اس وقت دل میں جوش ہوگا، عشق کی آگ بھڑکے گی اور

دل چلائے گا، میاں تم کہاں ہو جی تمہارے شوق میں مرتا ہوں تم کو کہاں ڈھونڈوں۔

**حکایت** :- مجنوں ریت کو تختی اور انگلی کو قلم بنا کر مشقِ نامِ لیلیٰ کیا کرتا تھا، لوگوں نے پوچھا کہ دیوانے یہ کیا کرتا ہے، کہا مشقِ نامِ لیلیٰ می کنم، میری محبوبہ نہ سہی نام تو ہے، اسی کو، رٹتا ہوں۔

پھر خیال آتا ہے ہائے میاں تم نزدیک ہو یا دُور، اسی لئے حکم ہوتا ہے جو میرا ذکر کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ، ان کا جلیس اور ہم نشین ہوں۔

میاں کبھی میں آپ کا نام لینے کے قابل نہیں رہتا، نہانے کی ضرورت رہتی ہے دل میں آگ بھڑکتی رہتی ہے لیکن نہانے کی ضرورت کی وجہ سے خیال ہوتا ہے کہ نہ آپ کا نام لوں نہ ذکر کروں، پھر یہ خیال آتا ہے کہ جینے کی خبر نہیں اور نہ زندگی کا بھروسہ ہے حکم ہوتا ہے کہ بندے کسی حال میں بھی ہم سے غافل مت رہ، ہر حال میں ہماری یاد میں ڈوبا ہوا رہ۔ کیونکہ بندے جب میں کسی کو اپنا دوست بنانا چاہتا ہوں اور اس پر اپنی پیاری نظر ڈالنا چاہتا ہوں تو اس کو ذکر کی توفیق دیتا ہوں، اور جب اس کو ذکر کا مزہ آنے لگتا ہے تو اس کو مقرب بناتا ہوں۔ غرض ذکر کا یہ اثر ہو تو بھلا کسی حال میں رُک سکتا ہے؟ اس لئے تو ہر حال میں ہمارا ذکر کر ''اُذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ ''۔ (پ ۹۔ رکوع ۲۴۔ سورہ اعراف) یوں تو ذکر کر جس طرح تو کرے وہ ذکر ہی ہے مگر سب ذکر گھنٹہ دو گھنٹہ کر کے چھوڑ دیگا مگر ہمارا ذکر چھوڑنے کی چیز نہیں ہے ''اَللّٰهُ اَللّٰه '' کا دل میں کھٹکا رہے اپنے عجز و نیاز کا خیال رہے جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے ''تَضَرُّعًا'' اور ہماری بے نیازی کے خیال سے ''وَخِيفَةً وَ دُونَ الْجَهْرِ

مِنَ الْقَوْلِ ''یعنے دل میں خفی ذکر کرے،'' بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ''یعنے صبح وشام کرے اس کی مداومت سے تُو ہمیشہ ذاکر رہے گا:

| | |
|---|---|
| بنا اعمال کو رحمت کے قابل | کیا کر ہر گھڑی ذکرِ الٰہی |
| خدا تیرا ہے گر تو ہے خدا کا | بھروسہ کچھ نہیں غافل قضاء کا |
| بہارِ آب وگل ہے ذکرِ مولیٰ | قرارِ جان و دل ہے نامِ اللہ |
| زمین و آسمان و عرش و کرسی | ہوئے سرمست پی کر جامِ اللہ |
| اگر سننے کی طاقت ہے تو ہر شئے | سنا دے خود تجھے پیغامِ اللہ |
| بہائے خون اگر تو عاشقوں کا | تو ہر قطرہ سے نکلے نامِ اللہ |

غرض صاحبو! سارا عالم ذکر وسجدہ کررہا ہے مگر تیرے سے کچھ ایسا تعلق ہے کہ تیرے سینکڑوں پریشانیوں سے بھرا ہوا سجدہ وذکر ہی مطلوب ہے۔ مقصود یہی ہے کہ ''وَلَا تَکُنْ مِنَ الْغَافِلِیْنَ'' (پ۹ رکوع ۲۴۔اعراف) نے کبھی تو ہماری یاد سے غافل نہ رہنا اسی کو پاس انفاس کہتے ہیں۔ کسی کی غلامی سے یہ بات آسانی سے حاصل ہوجاتی ہے۔

صاحبو! غافلوں میں ذاکر ایسا ہوتا ہے کہ جیسا سرسبز درخت، خشک درختوں میں، اور جہاد میں بھاگنے والوں میں بھاگنے والوں میں وہ شخص جو کفار پر تنہا جہاد کررہا ہو، اور اپنا خون پانی کی طرح بہارہا ہو تو خدائے تعالیٰ ہمیشہ اس کو نظر رحمت سے دیکھتے ہیں یا جس طرح روشن چراغ اندھیرے گھر میں ہو، اس طرح کا ذکر تجھے فرشتہ کا مشابہہ بنادے گا۔

غرض صاحبو! آخرت میں تو ان ہی لوگوں کو آرام ملے گا کہ جنھوں نے دنیا میں ذکر کیا ہوگا اور جن کے قلوب روشن اور مطمئن ہوں گے۔

لیکن صاحبو! دل جو آفتاب کے جیسا ہے اور جو عرش بننے کے قابل ہے وہ دنیا میں سیاہ کوئلہ کیوں ہوگیا ہے، آخر اس کی وجہ بھی کبھی آپ سونچے۔ میاں جہاں گل ہو وہاں خار بھی ہوتا ہے دل جیسی بڑی نعمت کیا وہ دشمن کے بغیر رہ سکتا ہے میاں اس کے چار دشمن ہیں جو اس دل کو سیدھے راستے سے ہٹا کر خدا سے دُور کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) دنیا۔ (۲) نفس۔ (۳) شیاطین الانس۔ (۴) شیاطین الجن۔

یہ چاروں طرح طرح کے تعلقات میں پھنسا کر دل کو عرش نہیں بننے دیتے خدا کا احسان پر احسان ہے کہ دل کو سیدھے راستے پر چل کر منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے اس نے دو کتابیں دی ہیں۔

(۱) ایک بولتی کتاب (۲) اور ایک خاموش کتاب۔

بولتی کتاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور خاموش کتاب قرآن مجید ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ'' یہ قرآن منزل مقصود تک پہنچنے کا سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور اس میں انسان کی سعادت وشقاوت کی جملہ باتیں مذکور ہیں۔

**حکایت** :- ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے یہ حدیث یاد آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے ہیں کہ مسلمان کی روح اس کے جسم سے ایسی نکلتی ہے جیسے خمیر میں سے بال میں نے تمام عمر قرآن مجید تدبُّر سے پڑھتے ہوئے ختم کیا لیکن کہیں یہ مضمون نہ پایا، میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو

عرض کیا یارسول اللہؐ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رُطَبٌ وَ یَابِسٌ سب کتاب مبین میں ہے۔ لیکن میں نے کتاب اللہ میں اس حدیث کا مضمون نہ پایا۔ حکم ہوا سورۂ یوسفؑ میں ڈھونڈو۔ میں نیند سے بیدار ہوا تو سورۂ یوسف تدبر سے پڑھا اور اس آیت میں یہ مضمون پایا ''فَلَمَّا رَاَیۡنَهٗۤ اَکۡبَرۡنَهٗ وَقَطَّعۡنَ اَیۡدِیَهُنَّ ز''۔ (پ۱۲۔ رکوع۴۔ سورۂ یوسفؑ) جب جمالِ یوسفؑ کو مصر کی عورتوں نے دیکھا تو ہاتھ کاٹ لئے، اور یہ ہاتھ کاٹنے کی ان کو کچھ تکلیف نہ ہوئی۔ ایسا ہی مسلمان جب مرتے وقت رحمت کے فرشتوں کو دیکھے گا اور جنت کی نعمتیں، اس کے حور وقصور پیش نظر ہوں گے تو دل ان میں ایسا مشغول ہوجائے گا کہ موت کی تکلیف اس کو کچھ محسوس نہ ہوگی۔

اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی شقاوت وسعادت کی کوئی بات ایسی باقی نہ رہی جو قرآن میں مذکور نہ ہو۔

صاحبو! ابھی آپ قرآن پر عمل نہ کرنے کی تفصیل سُن چکے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سُن چکے کہ قرآن مسلمانوں کیلئے ایک رحمت ہے کہ جس کی کچھ حد نہیں۔

صاحبو ! اب میں آپ سے ایک خاص بات کہنا چاہتا ہوں زرا غور سے سنئے وہ یہ کہ آج کل مسلمانوں پر مصائب یکے بعد دیگرے ٹوٹے ہوئے ہار کی طرح لگاتار چلے آرہے ہیں، کبھی آپ اس کی وجہ پر بھی غور کئے، سنیئے :

**حکایت** :- ایک دفعہ حضرت ذوالنون مصریؒ نے دیکھا کہ دریا کے بیچ میں ایک پہاڑ ہے اور اس پر ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے الٰہی ! میں دریا میں، جزیرے میں ہوں، اکیلا ہوں اور تیرے پاس آنے سے کوئی روکنے والا بھی نہیں ہے جو تجھ

سے اُنست پیدا کرے گا اس کو پھر وحشت نہ ہوگی، اے وہ پاک ذات جو شخص تیری قدرت کی نشانیوں میں غور کرے گا وہ تیرا راستہ پالے گا، مخلوق کے سروں پر تو نے آسمانوں کو بے ستون قائم کیا ہے، رہبر اور راستہ دکھانے والے کے بغیر، پانی کو تو ہی بہالے جاتا ہے، تو ہی ہوا کو چلاتا ہے، تجھ کو کوئی روکنے والا نہیں۔ الٰہی ! یہ سب تیرے اکیلے خدا ہونے پر دلالت کرتے ہیں، آسمانوں کو دیکھنے سے تیری زبردست قدرت کا پتہ چلتا ہے اور سمندروں میں جہاز و کشتیوں کو دیکھنے سے تیری اعلیٰ درجہ کی کاریگری آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے، ہوائیں تیری برکات کو پھیلاتی ہیں اور رعد کی کڑک تیری عظمت ظاہر کرتی ہے، زمین تیری حکمت ثابت کرتی ہے، نہر، ندیاں تیری میٹھی باتوں سے بنے ہیں، درخت تیری صنعت کا نمونہ ہیں، آفتاب تیری نورانی ذات کا پرتو ہے۔

ارے وہ عاجز انسان! ارے وہ خاک کے پتلے، ارے وہ نجس منی سے پیدا ہونے والے ایسے زبردست قدرت والے، ایسی عظمت و جبروت والے کے سامنے تیری کچھ ہستی بھی ہے، ظاہری بیماریوں کے علاوہ تیرے باطن میں بھی سینکڑوں بیماریاں ہیں تجھے اپنی تندرستی کا کچھ بھی خیال نہیں، کیا یہی بیماریاں لئے ہوئے اپنی قبر میں جانا چاہتا ہے، کیا یہی بیمار دل خدا کے سامنے لے جائیگا۔

تیرے ماں باپ سے کئی گنا زیادہ چاہنے والا خدا تیری صحت کیلئے کیا کیا انتظام فرمایا ہے تجھے اس کی کچھ بھی خبر نہیں، تجھ میں یہ چھپی ہوئی بیماریاں ہیں جو اندر ہی اندر تیرے دل کو ستیاناس کر رہی ہیں، تیری ان سب چھپی ہوئی بیماریوں کو وہ

مہربان خدا ظاہر کر رہا ہے بلکہ ان کا علاج بھی بتلا رہا ہے، جیسے حکومت، دواخانے ڈاکٹر اور دواؤں کا خرچ اٹھا کر جگہ جگہ انتظام کرتی ہے، اس شفقت کی وجہ سے کہ رعایا کی ترقی، صحت پر موقوف ہے، اگر رعایا کی صحت خراب ہوگئی تو ملک ترقی نہیں کریگا۔

ایسا ہی اللہ تعالیٰ کو بندوں پر شفقت ہے وہ چاہتے ہیں کہ بندوں کو آخرت میں ترقی ہو، لیکن آخرت کی ترقی کا دارومدار دل کے صحت مند ہونے پر ہے، اگر دل کی صحت خراب ہوگئی تو وہ آخرت میں ترقی نہیں کرسکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے عرش پر نسخہ مرتب کر کے اس کا صدر دواخانہ مدینہ منورہ میں کھولا ہے اور اس کی شاخیں تمام دنیا میں جاری کی ہیں کہ جہاں ان بیماریوں کا علاج کیا جاتا یہ اور علاج بھی کیسا آسان ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی علاج کروائے، لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ تو اس کو زہر سمجھ رہا ہے، دوا استعمال کرنے کا نام ہی نہیں لیتا۔

ہائے انسان! یہ کیسی تیری غفلت ہے اگر بچے کو ڈنبل ہوجائے اور اس کو نشتر لگایا جائے، تو ماں باپ خوش ہوتے ہیں مگر بچہ ان کو دشمن سمجھتا ہے، جب نشتر زن، ماں باپ سے انعام مانگے تو بچہ تعجب کرتا ہے لیکن ہر عقلمند جانتا ہے کہ یہ کام انعام کا ہے۔

صاحبو! اس کی وجہ کیا ہے کچھ آپ کو معلوم ہے سنیئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ کا علم کم ہے، ماں باپ کا علم بہت بڑھا ہوا ہے، اور جو بات ماں باپ کو معلوم ہے وہ بچہ کو نہیں معلوم ہے۔ ایسا ہی جو بات خدائے تعالیٰ کو معلوم ہے وہ بندے کو نہیں معلوم۔ بچہ کی طرح بندہ جس چیز کو مصیبت سمجھتا ہے خدائے تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ مصیبت نہیں بلکہ اس میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں جیسے جراح نشتر لگا کر مصیبت میں

نہیں پھنساتا ، اسی طرح خدائے تعالیٰ جو کچھ بندے کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، وہ سب بہتر ہی ہوتا ہے مگر بندہ اس کی حکمت کو نہیں سمجھتا۔

یوں تو مصیبت کے بہت سے فائدے ہیں، ایک سرسری فائدہ یہ ہے کہ اس سے اپنی بداعمالیوں پر ایک نصیحت ہوتی ہے۔

بڑا ظالم ہے وہ شخص کہ اس پر مصیبت آئے اور اس کو اس مصیبت سے نصیحت نہ ہو، اور جب وہ مصیبت ٹل جائے تو اس مصیبت کو بھول جائے یاد نہ رکھے، پھر ان ہی بداعمالیوں میں پھنسارہے، یہ بھی دل کی بیماری ہے جس کا ذکر آیت ''هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ط'' (پ ۱۱۔ رکوع ۳۔ سورۂ یونس) (وہ ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں لئے لئے پھرتا ہے۔) میں مذکور ہے۔

## ● اس بیماری کی کئی قسمیں ہے :-

(۱) بعض کو مصیبت آنے کے بعد بھی نصیحت نہیں ہوتی، مصیبت آنے کے بعد تعجب سے کہتے ہیں معلوم نہیں کہ ہم سے کیا گناہ ہوا کہ جس کا یہ نتیجہ بھگت رہے ہیں، صاحبو! کونسا وقت ہے کہ جس میں ہم سے گناہ سرزد نہیں ہوتے، پھر اس طرح کہنے کے کیا معنیٰ ؟ کہ ''معلوم نہیں کہ ہم سے کیا گناہ ہوا ہے''۔

میاں ہم سے سینکڑوں گناہ ہوئے ہیں، وہ حلیم ہیں، چھچھورے نہیں ہیں ورنہ فوراً سزا دیدیتے لیکن جب پیالہ بھر جاتا ہے تو چھلکنے لگتا ہے، اس لئے دیکھ دیکھ کر آخر میں سزا دیتے ہیں۔

**حکایت** :- حضرت عمر رضی اللہ عنہ' کے زمانے میں ایک چور گرفتار کیا گیا جب

مقدمہ ثابت ہوا تو ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا تو اس نے کہا امیر المومنین یہ میرا پہلا قصور ہے معاف کیجئے آئندہ کیلئے توبہ کرتا ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا خداء تعالیٰ کی عادت یہ نہیں ہے کہ کسی کو ایک جرم پر رسوا کریں، کئی بار جرم ہونے پر پردہ دری ہوتی ہے، تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ چالیس بار پہلے گناہ کر چکا تھا۔

(۲) بعضوں کو خیال تک نہیں آتا کہ گناہ کے سبب سے مصیبت آئی ہے اور جب اس کا خیال ہی نہ ہو تو وہ کیوں توبہ کرے گا۔ ہائے صاحبو ! طاعون کے زمانے میں بستی اجاڑ ہوجاتی ہے لوگ جنگلوں میں منتقل ہوجاتے ہیں، اور جنگل کی تکلیف جھیلتے ہیں مگر ہائے وہی غفلت ہے اور وہی فسق وفجور معلوم نہیں کہ پہلو میں دل ہے یا پتھر، مصیبت آتی بھی ہے اور جاتی بھی ہے لیکن یہ خیال تک نہیں آتا کہ یہ مصیبت گناہوں کے سبب آئی ہے۔

(۳) بعض وہ ہیں کہ جو سمجھتے ہیں کہ گناہوں کے سبب سے مصیبت آئی ہے اور مصیبت کے وقت خدا ہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں، مصیبت کے وقت مسجدیں وغیرہ آباد رہتی ہیں، اسی کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ ''هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ '' (پ ۱۱۔ رکوع ۳۔ سورۂ یونس)۔ (ترجمہ: وہ ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں لئے لئے پھرتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان سے خوش

ہوتے ہیں، ان پر ایک جھوکا ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں اٹھی چلی آتی ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ آگھرے)۔

وہ سمجھتے ہیں کہ بُرے پھنسے، اب ساحل نجات کا حاصل کرنا دشوار ہے تاہم ''دَعَـوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ج ''(پ۱۱۔رکوع ۳۔سورۂ یونس) تو اللہ کی طرف رجوع ہو کر اللہ کو خالص دل سے پکارتے ہیں ''لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ o ''(پ۱۱۔رکوع ۳۔سورۂ یونس) اے اللہ تو ہم کو بچالے تو ہم شکر گزار ہو جائینگے تیری عبادت کریں گے اور کبھی تیرا خلاف کر کے گناہ نہیں کریں گے۔

اس وقت ایسا خلوص خدا کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں جیسا اس لیمونچوڑ کا خلوص تھا جس کی حکایت ذیل میں درج ہے۔

**حکایت** :- ایک شخص تھا جو مسافروں میں جاتا اور تاڑلیتا کہ ان میں آج موٹی چڑیا کون ہے اس کے پاس بیٹھ کر بہت خلوص ظاہر کرتا، جب کھانا پاس لایا جاتا تو یہ یوں ہی بیٹھا رہتا، ایسے موقع پر آدمی شرمندہ ہوتا ہے اور تواضع کرنا ہی پڑتی ہے، اگر کسی نے جھوٹ موٹ بھی کہا کہ آیئے کھانا کھایئے تو یہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ حضرت میں تو بے تکلف آدمی ہوں، مجھے کیا انکار ہے، یہ کہہ کر ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیتا لیکن اگر کوئی تواضع نہ کرے تو ان کی جیب میں جو لیمو رہتے تھے ایک لیمو نکال کر مسافر کے سالن پر نچوڑ دیتا اور بہت خلوص سے کہتا کہ حضرت ذرا اس سے کھانا مزیدار ہوتا ہے، اب کون ہے کہ تواضع نہ کرے، خواہ مخواہ کہنا پڑتا ہے کہ حضرت آپ بھی کھانا کھایئے، بس ان کی غرض حاصل ہوگئی، اس لئے ان کا نام لیمونچوڑ ہو گیا تھا، اس کی

یہی عادت تھی، اچھے اچھے کھانے اُڑاتا تھا۔ غرض کہ اس لیمو نچوڑ کی طرح خلوص رہتا
کہ جب تک مصیبت رہے اللہ بھی یاد ہے رسول بھی یاد ہے، اور جب مصیبت ٹلی تو
ایسے آزاد گویا خدائے تعالیٰ کے حدود حکومت سے ہی نکل گئے '' فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ
اِذَاهُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط '' (پ ۱۱۔ رکوع ۳۔ سورۂ یونس) اور
جب ہم نے ان کو اس مصیبت سے نجات دی تو ناحق زمین میں سرکشی کرتے پھرتے
ہیں، خدا کا خلاف کرتے اور گناہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا
ہے '' وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا o '' (پ ۱۵۔ ع ۷۔ بنی اسرائیل) ہائے انسان تو کتنا بڑا
ناشکرا ہے کہ جب کوئی مصیبت ٹل گئی تو سمجھتا ہے کہ میں امن میں ہو گیا، دریا میں بھی
تجھ کو ڈبو سکتے ہیں اور زمین میں بھی دفن کر سکتے ہیں، کیا قارون کا واقعہ یاد نہیں، غرض
ایک مصیبت ٹل جائے تو کیا دوسری مصیبت میں مبتلا نہیں کر سکتے ہر طرح تم ہمارے
قبضہ و قدرت میں ہو، پھر کس طرح بچ سکتے ہو، جو مصیبت تم سے ٹل گئی ہے کیا اس کو
دوبارہ ہم نہیں لا سکتے۔ غرض دریا، خشکی سب ہمارے پاس برابر ہیں۔

**حکایت** :- ایک شخص نے ایک ملاح سے دریافت کیا کہ تمہارے والد کا کہاں
انتقال ہوا، اس نے کہا کہ دریا میں ڈوب مرے، پھر اس نے سوال کیا اور دادا، تب
اس نے کہا وہ بھی دریا میں ڈوب مرے، اس نے کہا پھر بھی تم دریا ہی میں رہتے ہو،
اور نہیں ڈرتے، یہ سن کر ملاح نے کہا کہ تمارے والد کا انتقال کہاں ہوا، کہا گھر میں،
پھر ملاح نے پوچھا تمہارے دادا۔ کہنے لگا گھر میں، پھر ملاح نے کہا گھر ہی میں رہتے
ہو، اور ڈرتے نہیں۔

غرض خدائے تعالیٰ کی قدرت ہر جگہ موجود ہے بلکہ دریا میں تو بہت تدابیر بچنے کی ممکن ہیں لیکن اگر خشکی میں آفت آئے تو اس سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں، مثلاً دوریل گاڑیوں میں تصادم ہو تو بچنے کی کوئی صورت نہیں، اس کے برخلاف اگر جہاز ڈوبے لگے تو اس کو غرق ہونے میں بہت دیر لگتی ہے، اکثر جہاز کنارے کے قریب ہوتا ہے اس لئے وہاں مدد مل سکتی ہے ، ویسے بھی کبھی تختے پر تیرتے تیرتے جان بچ جاتی ہے، غرض اگر کوئی سمندر میں خدا سے ڈرے اور خشکی پر نہ ڈرے تو وہ کس قدر نادان ہے۔

غرض صاحبو! کسی وقت خود کو خدا کے قبضہ سے نکلا ہوا مت سمجھو، اس لئے سب گناہوں کو چھوڑ دو، یوں بھی سوچنے کی بات ہے کہ گناہوں کی وجہہ سے مصیبت آتی ہے یعنے اس گنہگار سے خدا ناراض ہیں اور یہ ناراضی سب گناہوں سے ہوتی ہے اگر کسی وقت ایک مصیبت سے بچ گئے تو کیا ہوا دوسری مصیبت میں مبتلا کر سکتا ہے، دیکھو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو نمرود کو ایک مچھر سے پریشان کر دیا کہ جب سر پر چوٹ پڑتی چین آتا تھا، وہ مچھر اب بھی ہیں اور خدا تعالیٰ کو اب بھی وہی قدرت حاصل ہے، دیکھو کہاں نمرود اور کہاں مچھر، لیکن خداء تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ ہمارا ایک معمولی سپاہی بھی کافی ہے، ایک چیونٹی جو نہایت چھوٹی اور معمولی مخلوق ہے اگر خدائے تعالیٰ چاہیں تو اسی سے ہلاک کر سکتے ہیں لیکن جب خدا حفاظت کرنا چاہیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

**حکایت** :- ایک بادشاہ کی ناک پر بار بار مکھی آکر بیٹھتی تھی بادشاہ نے تنگ آکر کہا کہ مکھی کو کیوں پیدا کیا گیا ہوگا۔ وزیر نے کہا کہ متکبروں کا تکبّر توڑنے کیلئے۔

غرض صاحبو! ذرا سنبھل کر خدا کا خلاف کرنا کیوں کہ ہم کو تو ایک مکھی کا مقابلہ کرنے، اور اس سے بچنے کی طاقت بھی نہیں ہے، اگر بچنے کی کوئی صورت ہے تو یہی ہے کہ ہم خدا کی طرف رجوع ہو جائیں۔

**حکایت** :- افلاطون نے کسی پیغمبر سے پوچھا کہ تیر مارنے والے سے کس طرح بچ سکتے ہیں تو انھوں نے کہا کہ تیر مارنے والے کے ہی پناہ میں آجائیں، کیونکہ تیر دور والے کو مارا جاتا ہے، نزدیک والے کو نہیں مارا کرتے۔ خدا کے لشکروں سے بچنا چاہتے ہو تو خدا کا قرب حاصل کرو۔

خلاصہ ساری تقریر کا یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آئے تو فوراً توبہ کرو، اور اس توبہ پر قائم رہو :؎

غم چو بینی زود استغفار کن غم با مر خالق آمد کار کن

ترجمہ :- غم (یعنی مصیبت) جو دیکھے تو تو جلد سے جلد استغفار کر۔ غم (یعنی مصیبت) اللہ کے حکم سے آئی ہے اس لئے تو کام کر (یعنی استغفار کر)۔

اس لئے خدائے تعالیٰ کو راضی کرو، اور پھر خدا کو ناراض مت کرو، کوئی خاص گناہ ہے ہی نہیں، اس لئے سب گناہ چھوڑ دو۔ کیونکہ نہ معلوم جس گناہ کی وجہ سے ہم یہ سمجھتے ہوں کہ مصیبت آئی ہے حالانکہ وہ مصیبت کسی دوسرے گناہ کی وجہ سے آئی ہو یا کسی ایک گناہ سے مصیبت آئی بھی ہو تو کیا ضرور ہے کہ آئندہ بھی اسی گناہ سے مصیبت آئے اس لئے سب گناہ چھوڑ دو، غرض جب مصیبت آتی ہے تو

خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہو، اور جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر وہی خدا
کی نافرمانی اور سرکشی اس لئے آیت ''یٰآیُّھَاالنَّاسُ'' (پ ۱۱۔ رکوع ۳۔ سورہ یونس) میں
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ (ناس نسیان سے ہے) ارے وہ بھولے ہوئے کچھ
یاد بھی ہے تو کیا تھا۔ ارے انسان تو نسیاً منسیا تھا، تیرا کہیں چرچا نہ تھا اور نہ کہیں تیرا
ذکر، لیکن تیرے کیچڑ کے خمیر کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا، سب کو لفظ کُن کہہ کر
بنایا، اور تجھ کو اے انسان اپنے ہاتھ سے بنایا۔ پھر تجھ کو نطفہ بنایا، کیوں؟ اس لئے کہ
تو اپنی اصلیت نہ بھولے پھر دَم (خون)، پھر علَقہ، پھر مضغہ، پھر عظام (ہڈیاں)،
پھر لحم، پھر عروق (رگیں) پھر جلود، پھر اعصاب، پھر جنین، پھر طفل، پھر شاب
(جوان) پھر کہن (ادھیڑ پن) پھر شیخ (بوڑھا)۔ غرض ان تمام حالتوں میں ہمارے
تجھ پر بے گنتی احسانات ہوتے رہے۔ چنانچہ ہماری نعمتوں کی وجہ سے ہی تو چھوٹے
سے بڑا ہوا، تو بے سمجھ تھا ہم نے تجھ کو سمجھ دی، تو ناتوان تھا ہم نے تجھ کو قوت عطا کی،
تو ذلیل تھا ہم نے تجھ کو عزت دی۔ غرض تجھ کو کیا کیا نہ دیا، لیکن تو سب کچھ بھول گیا۔
او بھولے ہوئے انسان تجھ کو یاد دلانے کیلئے میں نے تجھ پر مصیبتیں ڈالی ہیں، لیکن
جب تو مصیبتوں میں تلملاتا ہے تو ہم بے چین ہوجاتے ہیں، جب تو روتا ہے تو
تیرے رونے کی وجہ سے حاملان عرش کے دل ہل جاتے ہیں۔ غرض تو ایک وقت
پکارتا ہے تو میں دس وقت لبیک کہتا ہوں، اور تیری مصیبتوں اور آفتوں کو دور کردیتا

ہوں، لیکن جب ادھر مصیبت دور ہوئی کہ پھر تو ہم سے منہ موڑا ہوا انجان پھرتا ہے اور پھر وہی نافرمانی ہے اور سرکشی۔ ''یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ'' اجی وہ ہم سے منہ موڑے ہوئے لوگو''اِنَّمَا بَغْیُکُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ لا'' (پ ۱۱۔ رکوع ۳۔ سورہ یونس) تمہاری یہ سرکشی تمہارے لئے وبال جان ہوگئی، اس میں خدا کا کیا نقصان ہے تم خود اپنا نقصان آپ کرر ہے ہو، سچ کہو کھجلی والا جب کھجاتا ہے تو اُسے بہت لذت ملتی ہے، اگر کوئی منع کرے تو منع کرنے والے کی نصیحت بُری معلوم ہوتی ہے، لیکن ادھر کھجانے سے ہاتھ رکا کہ وہ جلن ہوتی ہے ہوش ٹھکانے نہیں رہتے، اب بتلائیے کہ کس کا نقصان ہوا، اس نے خود اپنا نقصان آپ کرلیا۔ اسی طرح نافرمانی کرنے والے کو فی الوقت لذت ملتی ہے لیکن سانپ کے کاٹے ہوئے شخص کو بھی کڑوی چیزیں لذت ملتی ہے لیکن کوئی عقلمند بھی اس لذّت کو نفع دینے والی چیز نہیں سمجھتا، ایسا ہی اے انسان تجھ کو دنیا کے سانپوں نے ڈس لیا ہے۔ اس لئے نافرمانی پرکشی جو کڑدے اور زہر قاتل ہیں تجھ کو شیریں معلوم ہورہے ہیں، اور خدا کی تابعداری جو تریاق اور شیریں چیز ہے بدمزہ معلوم ہورہی ہے، ادھر سانپ کا زہر اترا، ادھر حقیقت تجھ پر کھلی، ایسا ہی جب اُدھر کا عالم تجھ پر کھلے گا تو اس وقت ہر چیز تجھ کو اپنی اصلی حالت پر نظر آئے گی اس وقت افسوس ہوگا کہ ہائے کس سے محبت کرنا تھا اور ہم نے کس سے محبت کی۔ ہائے ہم کیا سمجھتے تھے اور کیا نکلا۔

**حکایت** :- ایک بادشاہ نے اپنے لڑکے کی شادی کی ، رات کو لڑکا دلہن کے پاس جانا چاہتا تھا لیکن چونکہ شراب پیا ہوا تھا اس دھن میں اور دلہن کے خیال میں باہر نکل گیا اور راستہ بھول کر ایک گھر میں پہنچا، وہاں دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے اور لوگ سو رہے ہیں، اس نے خیال کیا کہ شاید سب نیند میں ہیں ایک عورت کو دیکھا کہ دوشالہ تانے سو رہی ہے، سمجھا کہ یہی میری دولہن ہے اور اس کی گود میں سو گیا، جب دوشالہ ہٹایا تو خوشبو آنے لگی اور اس سے جماع بھی کیا دن طلوع ہونے کے بعد جب نشہ اتر گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ جس کو وہ دلہن کا حجرہ سمجھا تھا وہ تو پارسیوں کا قبرستان ہے۔ جس کو شادی میں آئے ہوئے مہمان سمجھا تھا وہ سب مردے تھے اور جس کو دولہن سمجھتا تھا وہ ایک بوڑھی عورت کا مُردہ تھا جو حال میں وفات پائی تھی جس کی نجاست سے اس کا تمام جسم بھی نجس ہو گیا۔ ابھی وہ اس حال میں تھا کہ بادشاہ، وزراء اور امراء کے ہمراہ اس کو ڈھونڈتا ہو وہاں پہنچ گیا، اور اس حال میں اس کو دیکھ لیا، اس شہزادہ کی اس وقت کی رسوائی، ندامت اور پشیمانی کو کیا پوچھتے ہو، وہ تو یہی چاہتا ہے کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔

اسی طرح صاحبو! مرنے کے بعد جب ہر چیز اپنی اصلی حالت پر نظر آئے گی جو فضیحت ، رسوائی ، ندامت اور پشیمانی ہوگی اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا اور حسرت علیحدہ ہوگی۔

اس لئے صاحبو! غور کرو کہ اس میں ہمارا نقصان ہے یا خدا کا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ''۔ (پ ۱۱۔ رکوع ۳۔ سورۂ یونس) پھر یہ نافرمانیاں سانپ، بچھو، آگ بن کر آخرت میں جو عذاب دیں گے وہ علیحدہ ہوگا اور

دنیا میں بھی یہ نافرمانیاں طرح طرح کے امراض طاعون وغیرہ اور آپس کی نااتفاقی کی شکل میں عذابِ جان بن جاتی ہیں، بتلائیے اس میں خدا کا کیا نقصان ہے، تمہارا ہی نقصان ہے اس لئے فرمایا ''اِنَّمَا بَغْیُکُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ لا''۔ (پ ۱۱۔ رکوع ۳۔ سورۂ یونس)۔

یہ تو مرض کی تشخیص تھی اب اس کا علاج یہ ہے کہ دنیا کی حقیقت جو اُس وقت کھلے گی ابھی سے کھول دی جائے، اصلی گھر بتا دیا جائے اور دونوں کا فرق بتلا دیا جائے تاکہ مصیبت کو نہ بھولے اور ہمیشہ خدا ہی کی طرف لو لگی رہے اور اس کی اطاعت ہوتی رہے۔

سنو صاحبو! ایک تو یہ گھر ہے جس کو دنیا کہتے ہیں، اور ایک دوسرا گھر ہے جس کو آخرت کہتے ہیں۔ اگر تم نے خدا کی بات نہ سنی اور مصیبتوں کو یاد نہ رکھا تو ''مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ز''۔ (پ ۱۱۔ ع ۳۔ سورہ یونس) یہ دنیا برتنے کی بے حقیقت چیز ہے، اس سے نفع اٹھا لو جب تک نفع اٹھانا ہے کیوں کہ ''ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُکُمْ'' ۔(پ ۱۱۔ رکوع ۳۔ سورۂ یونس) پھر ہمارے ہی طرف واپس آنا ہے وہاں پر پردہ اٹھ جائیگا اور ہر چیز اپنی اصلی حالت پر دکھائی دے گی۔ ''فَنُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ o'' (پ ۱۱۔ رکوع ۳۔ سورۂ یونس) جو کچھ تم نے کیا ہے بھلی بُری اس کی خبر ہو جائے گی، جس دنیا سے تم دل لگائے ہوئے ہو اس کی ذرا حقیقت تو سُن لو ''کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ''۔ (پ ۱۱۔ رکوع ۳۔ سورۂ یونس) دنیا کی زندگی اور اس کی بے ثباتی کی ایسی مثال ہے کہ بارش کا پانی آسمان سے برسا ''فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْکُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ o''۔ (پ ۱۱۔ رکوع ۳۔ سورۂ یونس) جس سے گھاس اور اناج

اگتا ہے۔ ''حَتّٰی اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ ''. (پ ۱۱۔ رکوع ۳۔ سورۂ یونس ) اس کی سبزی دلکش معلوم ہوتی ہے، زمین نے اپنے پھل پھول نکالے، درخت سرسبز وشاداب ہیں کھیت تیار ہو گئے ہیں، باغ شاداب ہیں'' وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَا ''۔(پ ۱۱۔رکوع ۳۔سورۂ یونس ) کھیت والا خوش ہوتا ہے کہ اب وہ اس سے نفع حاصل کرے گا۔ ''اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا ''۔(پ ۱۱۔رکوع ۳۔سورۂ یونس )یکا یک اس پر حکم الٰہی آ گیا، اولے پڑے یا کوئی اور مصیبت آ جائے کہ سارا کھیت صاف ہو گیا۔ ''فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا ''۔(پ ۱۱۔رکوع ۳۔ سورۂ یونس)۔ سارا کھیت برباد ہو گیا۔ ''كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ط ''۔(پ ۱۱۔رکوع ۳۔سورۂ یونس ) گویا یہاں کل کچھ تھا ہی نہیں۔ اگر کوئی مصیبت نہ بھی آتی تو وہ پانی مثل باپ کے ہے اور زمین مثل مادر کے ہے، دونوں کے ملنے سے نباتات پیدا ہوئے ہیں، یہ نباتات لہلہاتے اور بہار پر ہوتے ہیں۔ پھر فنا کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں، زرد پڑ گئے، اور آخر میں گر پڑے،اور ہوا میں ذرہ ذرہ ہو کر اڑنے لگے، اور پاؤں سے روندے گئے، خاک سے نکلے تھے، پھر خاک میں جا ملے، اسی طرح بچہ منی کے پانی سے عورت کے رحم میں پیدا ہوتا ہے، باہر آ کر جوان رعنا بنتا ہے، دنیا کی چیزیں بڑی بڑی امید پر سمیٹتا پھرتا تھا، یا تو کوئی آفت سے مرمٹتا ہے یا انسان پر آثار پیری نمودار ہوتے ہیں جو وہ آثار فنا ہی ہیں، یکا یک اجل کا پیغام آتا ہے، پھر دنیا سے ایسا ناپید ہو جاتا ہے کہ گویا کبھی یہاں آیا ہی نہ تھا، خاک میں جا ملتا ہے اس کی زندگی اور عیش واسباب کا کہیں پتہ بھی نہیں ملتا۔ ہری گھاس کی عمر ہی چند ایام کی ہوتی ہے، اسی طرح انسان کی عمر بھی چند برس، پھر گھاس کی طرح روندا جاتا ہے، کہیں ہڈی

پڑی ہے تو کہیں سر کی کھوپڑی، کہیں پیر ہے تو کہیں ہاتھ، پھر اس کی خاک ہو کر ذرہ ہو کر اڑتا پھرتا ہے، اس کے مرنے پر اس کے عزیزوں کے دل پر داغ رہ جاتے ہیں، ہائے اس بے ثبات عمر پر یہ سرکشی اور نافرانی کیسی؟

ہائے او غافل انسان! تیری ہستی یہ ہے، اور دنیا کی حقیقت یہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی، اب بھی اگر تجھ پر دنیا کی حقیقت نہ کھلی اور تو آخرت کے دن دنیا کی حالت کھلنے کا انتظار کرے تو تجھ پر افسوس ہے۔

صاحبو! دنیا کی مثال پانی سے دی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ

(۱) پانی بہت ٹھیرنے سے متغیر ہو جاتا ہے، ایسا ہی مال روکنے سے مذموم کہلاتا ہے۔

(۲) مطر (بارش) بقدر حاجت نافع ہوتی ہے، جب حدِ اعتدال سے بڑھ جائے تو ضرر دیتی ہے، اسی طرح دنیا بقدر ضرورت نافع ہے اور اس سے مقاصد دین و دنیا حاصل ہوتے ہیں لیکن جب قدرِ حاجت سے زائد ہو تو سبب، ارتکابِ معاصی کا اور ذریعہ فخر کا بنتا ہے۔

(۳) بارش جب پھولوں کے پودوں میں پہنچتی ہے تو لطافت بڑھاتی ہے لیکن جب کانٹوں کے درختوں میں پہنچتی ہے تو اور تیزی بڑھاتی ہے، اسی طرح مالِ دنیا مُصلح میں صلاح بڑھاتا ہے۔ چنانچہ کتابوں میں ''نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ'' وارد ہے، اور مفسد کا مال ترقی فساد کا سبب بنتا ہے۔

(۴) بارش کا پانی جب زمین پر گرتا ہے تو ایک جگہ نہیں ٹھیرتا بلکہ اطراف و جوانب میں جاری ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی مالِ دنیا ایک جگہ نہیں ٹھہرتا بلکہ ہر روز

دوسرے کے ہاتھ میں جاتا ہے، کسی سے وفانہیں کرتا، اور کہیں باقی نہیں رہتا۔

(۵) پانی کا اثر عام ہے، اسی طرح دنیا سے ہر انسان کو کم و بیش تعلق ضرور ہے۔

(٦) پانی دہ در دہ ہو تو جب تک کہ اس کا رنگ و بو اور مزہ حرام سے، رنگ، شبہات سے اور بو، تکبر سے متغیر نہ ہونا پاک نہیں ہوتا۔ جس طرح نباتات موسم گرما کے بعد بارش ہوتے ہی زمین سے نکل پڑتے ہیں، اسی طرح قیامت میں پانی برسے گا جس کو مَاءُ الْحَیَاتِ کہتے ہیں، اس سے تمام مخلوق نباتات کی طرح زمین سے یکبارگی نکل پڑے گی اور وہ حیات ابدی ہوگی اور وہاں نیکی بدی کا ثمرہ ملے گا، کیا عمدہ مثال ہے انسان کے ابتدا سے انتہا تک کہ اس بارے میں ان کے حالات کا آنکھوں کے سامنے مشاہدہ کرادیا، اس لئے فرمایا ''كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝'' (پ ۱۱۔ رکوع ۳۔ سورۂ یونس)۔ (ترجمہ:- ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں، ایسے لوگوں کیلئے جو سوچتے ہیں)۔

میرے دوستو سنو! اگر چند بچے جمع ہوکر بالو کا گھر تیار کریں، پتے اور نبولی بطور سامان جمع کرلیں اور چند درخت کی ڈالیاں توڑ کر مکان کے صحن میں لگا کر خانہ باغ بنالیں اور اپنے اس مکان پر اِترا رہے ہوں تو کوئی بھی اس کو ہوشیاری کی بات قرار نہ دے گا۔ دوسری طرف اس مکان کے سامنے ایک شاہی محل ہے جس میں فرش اور سامان بادشاہوں کے شایانِ شان رکھا ہوا ہے اور اس محل کے صحن میں اعلیٰ درجہ کا باغ لگا ہوا ہے، محل کے دروازے پر خود بادشاہ کھڑا ہوا ہے، اتفاق سے آپ کا گذر اُس طرف ہوا، اِدھر بچے آپ کو گھروندے کی طرف بلاتے ہیں اور اُدھر بادشاہ

اپنے محل کی طرف ۔ تو صاحبو! سچ کہو آپ کہاں جائیں گے، آپ یہی فرمائیں گے کہ بچو تمہارا گھر بھی کوئی گھر ہے، ایک دو لحظوں میں مٹ جاتا ہے پھر یہاں تم رہو گے نہ یہ تمہارا مکان، اس لئے اگر میں بادشاہ کی بات نہ سنوں اور اس کے محل میں نہ جاؤں تو مجھ سے بڑھ کر کوئی دیوانہ نہ ہوگا اس لئے جہاں تک ہوسکے بادشاہ کے محل میں جانے کی کوشش کرنا چاہئے۔

اسی طرح دنیا اور دنیا کا ساز وسامان بچوں کا گھروندہ ہے اور جنت اور اس کی نعمتیں شاہی محل ہیں۔ ''شَیَاطِیْنُ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ'' دنیا کے گھرندہ سے خود بھی کھیل رہے ہیں اور آپ کو بھی کھیلنے کیلئے بلا رہے ہیں، اور جنت کی طرف خدائے تعالیٰ بلا رہا ہے ''وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ ج''۔ (پ ۱۱۔ رکوع ۳۔ سورہ یونس) اللہ تعالیٰ بلا رہا ہے جنت کی طرف اور فرما رہا ہے میرے بندے گو تو مجھ سے بے پرواہ اور غافل ہے مگر مجھے تیرا ہی خیال ہے، میرے بندے شاید تیری نظر غلطی کر رہی ہے کہ جس کی وجہ سے تو نے دنیا کی حقیقت کو نہ سمجھا، ہائے تجھے پچھلی قوموں کی بھی مثال دی گئی پھر بھی تو نہ سمجھا۔

جس دنیا کے لئے تو بے سدہ ہے، اے انسان کیا اس کی اصلی حالت کی بھی تجھ کو خبر ہے، ارے سُن دنیا کیا ہے ''اَوَّلُهَا اَلْبُکَاءُ'' اس دنیا کا آغاز رونے سے ہوتا ہے کیا تجھے یاد نہیں کہ پیدا ہوتے ہی تیرا سب سے پہلا کام رونا تھا: ؎

دیکھی جب آنکھوں سے دنیا کی فنا — دیکھتے ہی خود بخود گریاں ہوا

ہے یہ گریہ اس کو اپنی جان پر — سب ہیں اس رونے سے اس کے بے خبر

یعنے اس مدت میں یہ تھوڑی سی راہ — قطع کی ہے میں نے مرمر کے اِلٰہ

نو (۹) مہینے کھایا ہے خونِ جگر طے کیا کس کس مصیبت سے سفر
وسعتِ دنیا تو ہے بے انتہا قطع کیونکر ہوگی اے میرے اِلٰہ
کس طرح طے ہوگی یہ راہِ دراز
مجھ نحیفِ خستہ سے اے بے نیاز

اس لئے کہ ''اَوْسَطُهَا اَلْعِنَاءُ '' اس دنیا کی زندگی شروع تو رونے سے ہوتی ہے اور اس دنیا کی درمیانی حالت طرح طرح کی مشقتوں اور مصیبتوں سے گھری ہوئی ہے۔

''وَآخِرُهَا اَلْفَنَاءُ'' پھر اس دنیا کے آخر فنا ہے۔

**حکایت** :- ایک وفعہ ایک بادشاہ نے بہت ہی خوبصورت محل تعمیر کیا کسی طرح کا اس میں عیب نہ تھا، عمدہ عمدہ کھانے اس میں پکتے تھے عام لوگ آ آ کر کھاتے اور واپس جاتے تھے، دروازہ پر پہرہ بیٹھا ہوا تھا جو باہر آتا اس سے شاہی حکم کی بناء پر پوچھا جاتا، کہ اس محل میں کیا کچھ عیب ہے، اس مکان میں کوئی عیب ہی نہ تھا تو کوئی کیا کہتا، بادشاہ لوگوں سے اس محل کی تعریف سن کر بہت خوش ہوتا تھا۔ ایک روز ایک شخص کمبل پوش آیا اور کہا ہاں اس مکان میں دو عیب ہیں، پہرہ والوں نے اس شخص کو روک لیا۔ بادشاہ کو خبر دی گئی، بادشاہ نے اس شخص کو فوراً بلایا اور کہا کہ میں تو سمجھا تھا کہ اس محل میں ایک بھی عیب نہیں ہے اور تم کہتے ہو کہ اس میں دو عیب ہیں۔ کہو کہ وہ کیا ہیں، انھوں نے کہا کہ پہلا عیب یہ ہے کہ آخر ایک روز یہ محل ویران ہو جائے گا، اور دوسرا عیب یہ ہے کہ اس محل کا بنانے والا مر جائے گا۔ یہ ایسے دو عیب ہیں کہ جنھوں نے اس محل کی ساری خوبیوں کو بے کار کر دیا ہے، تب بادشاہ نے پوچھا کہ کیا

ایسا بھی کوئی گھر ہے کہ جو نہ تو ویران ہو، اور نہ ہی اس کا بنانے والا مر جائے ،تو انھوں نے کہا کہ ہاں جنت ایسا گھر ہے جو کبھی ویران نہ ہوگا اور اس کا بنانے والا تو کیا اس میں رہنے والا بھی کبھی نہیں مرے گا ، بادشاہ پر اس کا بہت اچھا اثر ہوا، اور ان کی اس نصیحت سے وہ دین دار بن گیا اور کہا ہائے اس دنیا کی زندگی کی آخری گھڑی فنا کی گھڑی ہے جو عجیب حسرت کی گھڑی ہے۔

**حکایت** :- حضرت دانیال علیہ السلام کا گذر ایک روز ایک لق ودق جنگل میں ہوا، وہاں آپ کو ایک گنبد سنگ مرمر کا بنا ہوا نظر آیا آپ اس محل کے اندر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کروڑہا روپیوں کی مالیت کے زر و جواہر اور لاکھوں روپیوں کی تیاری سے وہ مکان آراستہ کیا گیا ہے مگر اس میں کہیں انسان کا پتہ نہ تھا، آپ آگے بڑھے تو ایک شاہی شہ نشین پر نظر پڑی تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے بیچ میں جواہرات کا ایک تخت ہے اور اس پر ایک طویل القامت شخص کی لاش پڑی ہوئی ہے اس لاش کے نیچے ریشمی قالین پڑے ہوئے ہیں، لاش بھی صحیح وسالم نہیں ہے بلکہ ہڈیوں کا ایک لانبا ساڈھانچہ ہے اس ڈھانچہ کے پہلو میں ایک قیمتی تلوار ہے جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی کہ میں قوم عاد کا آخری بادشاہ ہوں (۵۰۰) برس میں نے بادشاہت کی ہے، سینکڑوں بادشاہ میرے تابع تھے، میری (۴۰۰) بیویاں تھیں، ان سے (۴۰۰) بیٹے پیدا ہوئے تھے، ہر ایک ان میں کا فوج کا کرنل تھا۔ کبھی میرے سر میں درد تک نہ ہوا، جب میری یہ حالت ہوئی تو آپے سے باہر ہوگیا اور خدا کی نافرمانی دل کھول کر کرنے لگا، خدا کی طرف سے ایک پیغمبر میرے پاس آئے اور مجھے بہت سمجھائے اور ڈرایا لیکن میرے سر میں تو غرور بھرا ہوا تھا ان کی نصیحت بھلا کیا اثر کرتی اور اُلٹے

میں ان پر غصہ ہو کر ملک سے باہر نکال دیا، ان کا ملک سے باہر جانا ہی تھا کہ تمام باغات و کھیتیاں برباد ہوگئیں، رعایا ہلاک ہوگئی، بستی اجاڑ ہوگئی، سارا غلہ جل گیا، صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں، کئی دن کے فاقہ کے بعد اب جان نکل رہی ہے، اس حالت میں میں یہ نصیحت کررہا ہوں کہ اے دنیا میں رہنے والو! دنیا چار دن کی چاندنی ہے، اس لئے اس دنیا کے دھوکہ میں نہ آنا اور اس دنیا پر عاشق ہو کر خدا کو بھول نہ جانا، اور دیکھنا کہ یہ دنیا شائد ہی کسی کو میرے برابر ملی ہوگی۔ آج اس دنیا سے کوچ کررہا ہوں، اور ایک ایک دانہ کو محتاج ہوں تم سب کو وصیت کرتا ہوں کہ اس دنیا پر دھوکہ کھا کر خدا کو بھول نہ جانا، خدا کے پیغمبروں کی بات سننا اور اطاعت کرنا، غرض یہ لکھا اور مرگیا: ؎

اے ساکنینِ دنیا، دنیا میں گھر نہ جانا ۔۔۔ للہ یاد رکھنا، تربت کا آشیانا
ہے چار دن کی رونق، آخر ہے پھر لق ودق ۔۔۔ سینہ ہے جس سے بس شق مت پوچھو یہ فسانا
دل میں رکھو یہ کھٹکا، آخر بُرا ہے اس کا ۔۔۔ کھانا نہ اس کا دھوکہ، اس کے نہ جُل میں آنا
اونچا ہو کوئی کتنا، دکھلائے گی یہ نیچا ۔۔۔ اس کا یہی ہے شیوہ، اس کو نہ منھ لگانا

دنیا اخیر تیرا، اچھا نہیں ہے اصلا
افسوس تجھ پہ قہبا مرتا ہے کیوں زمانا

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندے یہ دنیا ہے جس کا اول رونا، بیچ میں مصائب اور آخرت میں فنا ہے، تُو اسی طرح غلطی کررہا ہے جس طرح بچے گھروندوں پر فریفتہ ہیں ایسا ہی تو فانی دنیا پر مبتلا ہے لیکن میں تجھے جس جنت کی طرف بلا رہا ہوں اس کی اول عطاء ہے ''اَوَّلُهَا اَلْعَطَاءُ'' اور ''اَوْسَطُهَا اَلرِّضَاءُ'' اس کا درمیانی حصہ رضا مندی ہے۔ چنانچہ جنتی جنت میں جانے کے بعد خدائے تعالیٰ

فرمائے گا۔ سب نعمتیں تو ہیں لیکن اب میں تجھے ایک ایسی نعمت دیتا ہوں کہ جس کو کبھی سلب نہ کرونگا وہ میری رضامندی ہے، تم سے راضی ہوتا ہوں، اس لئے تم سے کبھی ناراض نہیں ہونگا ''آخِرُهَا اَللِّقَاءُ'' اس جنت کی آخری نعمت دیدارِ الٰہی ہے، جب جنتی جنت میں جائیں گے تو ارشاد ہوگا کہ ہم آج تم سے راضی ہوگئے، کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گے اس وقت جنتیوں کو ایسی خوشی ہوگی کہ ایسی خوشی کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ تب خطاب ہوگا اے جنتیوں! تم سے ایک اور وعدہ باقی ہے، بندے عرض کریں گے الٰہی! اب اور کیا باقی ہے، کیوں کہ حساب کی تکلیف میدان قیامت کی سختی، اور دوزخ کی آگ سے تو نے ہم کو نجات دی، اور جنت میں داخل کیا اور وہاں وہ وہ نعمتیں سرفراز کیا کہ جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا ہے اور نہ کانوں سے سُنا، اس کے بعد اور کیا عطاء باقی ہے حکم ہوگا حجاب اٹھاتے ہیں اور اپنا جمالِ جہاں آرا دکھاتے ہیں۔ اللہ کے دیدار میں وہ مزہ آئے گا کہ جنت کی کسی نعمت میں وہ مزہ نہ ہوگا۔

غرض یہ جو جنت ہے اس کے اوّل عطاء، اوسط رضاء اور آخر دیدارِ الٰہی ہے، اسی واسطے جنت کو ''دَارُ السَّلَام'' کہتے ہیں، کیوں کہ دنیا تو فنا کا گھر ہے اور جنت سلامتی کا۔ دنیا، حسد، کینہ، بغض، عداوت سارے عیبوں کا گھر ہے اور جنت ان سب عیبوں سے سلامت رہنے کا مقام، سینہ وہاں صاف رہے گا، البتہ دنیا میں دل مکدّر رہے گا، اور جنت قلب سلیم کی جگہ ہے، دنیا ہجر کی جگہ ہے تو آخرت جنت، دیدار اور سلام الٰہی کی، اس طرح جنت کو ''دَارُ السَّلَام'' کہتے ہیں، چنانچہ خدائے تعالیٰ اسی دارالسلام کی طرف بلاتا ہے اگر کوئی نہ سنے تو مصائب بھیج کر دنیا سے دل اُداس کر کے بلاتا ہے۔

صاحبو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر ہمارے ہی غم میں بسر کی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم اب بھی ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ پر لاڈ ہے تو ہمارے گناہوں کی اطلاع ہمارے سوا اور بہت سی مخلوق کو بھی دی گئی ہے اور دیگر مخلوق کو اطلاع دینے کی خبر ہم کو دیدی گئی ہے تاکہ ہم شرمائیں مگر ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اس پر بھی ہم کو شرم نہیں آتی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے (نامۂ اعمال وغیرہ لکھنے میں) فرشتوں کا واسطہ رکھا ہے ورنہ واسطے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہ بھی ایک تدبیر ہے بندوں کو عبرت دلا کر گناہوں سے روکنے کی کہ دیکھ بندے تیرے گناہوں کی اطلاع فرشتوں کو ہو رہی ہے۔

صاحبو سنو ! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کا وقت قریب آیا تو آخری بات جو آپ نے فرمائی وہ یہ تھی:-

(۱) اپنے تابعدار، باندی، غلام کا ہر طرح خیال رکھو اور ان کو ایذا مت دو۔

(۲) نماز کی حفاظت کرو۔

غرض عرش پر ذکر تھا تو نماز کا تھا، آخر وقت حضور کو نماز ہی کی فکر تھی، اس سے زیادہ نماز کی اور کیا فضیلت ہوگی۔ اس لئے صاحبو! نیکیاں کرو، نماز پڑھا کرو، اور گناہوں سے باز آجاؤ۔

سنو صاحبو! اب میں ذکر کرنے اور نماز پڑھنے کی رغبت ایک نئے انداز سے دلاتا ہوں ذرا غور سے سنئے ۔

**حکایت** :- ایک زمانہ میں ایک شہر میں یہ دستور تھا کہ جب وہاں کے بادشاہ کی لڑکی جوان ہوتی تو تمام شہر میں ڈنکا پیٹا جاتا کہ سب لوگ فلاں میدان میں جمع ہو جائیں، شہزادی اپنا خاوند پسند کرے گی، سب لوگ جمع ہونے کے بعد بادشاہ اور ملکہ شہزادی کے ہاتھ میں ایک ہار دیتے کہ جس کو وہ پسند کرے اس کو یہ ہار پہنا دے، اس بادشاہ کے پڑوس میں ایک نوجوان رہتا تھا جو اگرچہ کہ محتاج تھا لیکن نہایت خوبصورت تھا شہزادی اس پر عاشق بھی تھی۔ اعلان کے بعد جب تمام امراء، روساء، اور نامور لوگ میدان میں جمع ہوئے تو شہزادی اس ملک کے دستور کے مطابق اس مجمع میں ایک چکر لگائی لیکن وہاں اس نوجوان کو نہ پا کر ہار پہنائے بغیر واپس ہوگئی، اس سے سب لوگوں کو تعجب ہوا، دوسرے دن پھر مجمع ہوا، اس دن بھی وہ نوجوان نہ آیا، اس دن بھی شہزادی نے کسی کو پسند نہ کیا، لوگوں نے خیال کیا کہ شائد شہزادی شادی کرنا ہی نہیں چاہتی، تیسرے دن پھر سب امراء جمع ہوئے، اس دن اس غریب نوجوان کے دل میں آیا کہ مجھ غریب کو کون پوچھے گا، چلو تماشہ دیکھنے کی نیت سے اس مجمع میں شریک ہو جاؤں۔ غرض اس خیال سے وہ شخص آیا اور دُور بیٹھ گیا، شہزادی آج بھی چاروں طرف نظر دوڑائی، اتنے میں اس کی نظر اس غریب نوجوان پر پڑی، فوراً اس کے پاس آئی اور اس کو ہار پہنا دیا، سب امراء شرمندہ ہو کر واپس ہوگئے۔

ایسا ہی خدائے تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوا کہ ہم خلافت کیلئے انتخاب کرینگے ساری کائنات جمع ہوئی۔ ہر ایک کو دعویٰ تھا کہ مستحق خلافت ہوں، آفتاب الگ چاند الگ، آسمان ادھر، زمین اُدھر۔ پانی، درخت، پہاڑ غرض ہر ایک کا خیال تھا کہ خلافت اسی کو ملے گی۔ امانت کا ہار اسی کو پہنایا جائے گا۔ انسان، مفلس نوجوان

کی طرح دور بیٹھا ہوا، عاجزی سے سر جھکایا ہوا تھا، تمام عالم میں کسی کو امانت کا ہار پہنایا نہ گیا، انسان عاجز کو امانت کا ہار پہنایا گیا۔ خلافت کیلئے چُن لیا گیا۔

صاحبو! غور کرو اگر وہ نالائق محتاج نوجوان شہزادی کا خلاف کرے، اس کو ایذاء دے تو وہ کیا کہے گی، وہ کہے گی ارے ظالم! تو نے میری کچھ قدر نہ کی، اتنے امیروں میں سے میں نے تجھ کو منتخب کیا، اور تُو میرے ساتھ یہ بیوفائی کر رہا ہے ایسا ہی ارے وہ ناشکرے انسان "وَمَا قَدَرُو اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ"۔ (پ ۷۔ رکوع ۱۱۔ سورۂ انعام) تو نے خدا کی کچھ قدر نہ کی، ساری کائنات میں سے میں نے تجھ کو چنا اور تو میرا ہی خلاف کرتا رہتا ہے۔

غرض جب شاہزادی نے اس غریب آدمی کو ہار پہنایا، تو تمام امراء نے شور مچایا کہ ہم کو چھوڑ کر ایک محتاج کو کیوں منتخب کیا، شہزادی نے کہا کہ اگر میں نے اس کو سونے کا ہار پہنایا ہے تو اس نے بھی تو مجھ کو محبت کا ہار پیش کیا ہے، اگر وہ محتاج ہے تو کیا ہوا میں تو غنی ہوں، دولت مند ہوں جب چاہوں اس کو امیر بنادوں گی۔

ایسا ہی فرشتے آسمان، زمین، دریا، چاند، سورج، پہاڑ وغیرہ نے غل مچایا اور عرض کیا کہ مجھ کو چھوڑ کر انسان کو کیوں چن لیا گیا، اس کے پاس کیا ہے ہم تو تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ ندا ہوئی اگر میں نے امانت کا ہار اس کو پہنایا ہے تو اس انسان نے بھی مجھ کو محبت کا ہار پیش کیا ہے:۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اگر انسان محتاج ہے تو کیا ہوا، میں تو غنی ہوں ،تم اگر امیر ہو،تو میں اس کو جن جن چیزوں کی ضرورت ہے دے کر امیر الامراء بنادوں گا۔تم مخلوقات ہوتو اس کواشرف المخلوقات بنادوں گا جیسے شہزادی نے اس کو اپنے پاس رہنے کے قابل بنانے کیلئے خلعت دیا، یہ دیا وہ دیا تا کہ وہ اورامیروں سے بڑھ جائے اوراس شان کا بن جائے کہ کوئی امیر اس کی شان ورفعت کو نہ پہونچ سکے۔

ایسا ہی خدائے تعالیٰ نے فرمایا اے میرے چنے ہوئے اور پسند کئے ہوئے انسان جن جن چیزوں کی تجھ کو ضرورت ہے وہ سب دیتا ہوں تو کوشش اس کی کر کہ میرا مقرب بننے کے قابل بنے ، اور تیری وہ شان ہو جو کسی اور مخلوق کی نہ ہو، انسان نے عرض کیا الٰہی ! کیا کروں جو تیرے لائق بنوں۔

حکم ہوا سب اطاعت کرتے ہیں تُو عبادت کر۔

اس کا فرق یہ ہے کہ اطاعت میں مثل نوکر کے صرف خاص خاص کام کرنا پڑتا ہے۔لیکن عبادت میں مثل غلام کے کام کر کہ اسکا کوئی خاص کام مقرر نہیں ہوتا ان کی عبادت بے نمک محبت ہے اور تیری عبادت ایسی ہو جیسے کوئی عاشق اپنے معشوق کی خدمت دلی محبت سے کرتا ہے ، غرض اسی طرح جوش محبت سے تیری عبادت ہوا کرے ۔ان کی عبادت، بے معرفت ہے لیکن تیری عبادت اور نماز وغیرہ میری معرفت کے ساتھ ہوا کرے۔معرفت کو یوں حاصل کر کہ ساری کائنات دیکھ کر میرا پتہ لگالے:۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ترجمہ :- (عارف) ہوشیار کی نظر میں جھاڑوں کے ہرے پتے۔ اور ہر پتہ اللہ تعالیٰ کے معرفت یعنی اللہ تعالیٰ کو پہنچاننے کیلئے دفتر کے دفتر ہیں۔

اس دنیا کے ظلمت کدہ میں جو ظلمت ہے کہ کچھ تمیز نہیں ہو رہا ہے کہ کیا ہو رہا ہے اسلئے ہماری معرفت حاصل کرنے کیلئے اس اندھیرے میں عقل کا چراغ دیتے ہیں، چنانچہ عقل کے ذریعہ ہمارا پتہ لگالے، صرف عقل کچھ نہیں کرسکتی، اس لئے حواس دیتے ہیں۔ آنکھ قدرت کی نیرنگیاں دکھائے گی۔ کان خدا کی قدرت کے عجائبات سنائیں گے زبان کا ذائقہ خدا کی قدرت کا کرشمہ بتائے گی۔ ایسا ہی دیگر حواس مثلاً ناک وغیرہ قدرت کا کرشمہ بتلائیں گے، عقل کی روشنی میں ان ساری قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر تو خود چلاّ اٹھے گا:

چرخ کو کب سلیقہ ہے ستم گاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

ان حواس کے لئے کسی ڈھانچہ کی ضرورت تھی جس میں یہ حواس بطور نگینہ جڑے ہیں، اس لئے تجھ کو تن، جسم دیتے ہیں، اور دشمن درندہ وغیرہ سے جسم کی حفاظت کیلئے غصہ دیتے ہیں، جسم کی بقا کے لئے شہوتِ طعام وغیرہ دیتے ہیں، غرض جسم کیلئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ دیتے ہیں تاکہ تو جلد کوشش کر کے معرفت حاصل کرے اور میرے پاس رہنے کے قابل بن جائے تو پھر میں تجھ کو ساری کائنات کو دکھا کر کہوں گا کہ یہ وہی محتاج انسان ہے جو آج تم سب سے بڑھ گیا، اور اشرف المخلوقات ہوگیا ہے۔ غرض جسم کی جو ضرورتیں ہیں وہ سب دیتا ہوں۔ بطور مثال کے ایک روٹی ہی کو لے لیجئے جو تیرے سامنے رکھی جاتی ہے اور تو

جانور کی طرح کھالیتا ہے کبھی تو نے یہ بھی سونچا کہ اس کیلئے کیا کیا انتظام کرنا پڑتا ہے، تب کہیں یہ روٹی تیرے سامنے آ کر رکھی جاتی ہے، یہ روٹی جس اناج سے پکائی گئی ہے، اگر گھر میں دھرا رہتا تو چندروز میں ختم ہو جاتا، تو پھر کیا کھاتا، اس لئے زمین بنایا۔ خالی زمین سے اناج نہیں اگتا، ہوا کی ضرورت ہے، اسی طرح اگر ہل نہ چلایا جائے تو اناج نہیں اگتا۔ غرض ہل کے ذریعہ زمین کو کھلی کر کے اس کے اندر ہوا بھری جاتی ہے اسلئے ہوا پیدا کیا۔ اسی طرح بغیر پانی کے کچھ نہیں اگ سکتا، اس لئے پانی پیدا کیا، باؤلی، اور نہر میں پانی جاری کیا، تیری روٹی کیلئے ابر میں پانی بھر کر کہاں سے کہاں اٹھا کر لایا، اس کے لانے کیلئے فرشتے بنائے گئے۔ صرف گرمی یا صرف سردی اناج کیلئے مضر تھی اسلئے خریف، ربیع وغیرہ چار موسم بنایا، زمین کی اصلاح کیلئے بیل پیدا کیا، بیلوں کے واسطے گھاس اُگایا، ہل کے لئے لوہا، لکڑی اور پتھر پیدا کیا اس کام کیلئے لوہار، بڑھئی بنایا۔ کھیت کرنے کا شوق دے کر طبقہ کسان پیدا کیا۔ اناج پکنے کیلئے آفتاب پیدا کیا، اناج میں دودھ بھرنے کیلئے چاند بنایا، ہر ایک تارے سے ایک ایک تیرا کام لیا، چاند تاروں کیلئے آسمان بنایا، پھر اناج سے بھوسہ الگ کروایا، پھر پسوایا، پسنے کیلئے پتھر بنایا، پھر خمیر کر کے آٹا گوندھا اس کے پکانے کیلئے آگ بنی۔

غرض ساری مخلوق تیری غلامی کررہی ہے، تب کہیں تجھے ایک روٹی ملتی ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند

ترجمہ :- ابر، ہوا، چاند، سورج، آسمان (اللہ تعالیٰ ان کیلئے جو کام مقرر کیا ہے) اس کام میں ہیں (یعنے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہیں)۔

تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت بخوری

ترجمہ :- تب کہیں تو ایک روٹی حاصل کرتا ہے اور کھاتا ہے اور غفلت میں رہتا ہے۔ (یعنے تیرا یہ حال ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل رہتا ہے)۔

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار

ترجمہ :- (کائنات عالم کا ہر ذرہ) تیرے لئے سرگرشتہ یعنے حیران و بے قرار ہے لیکن تیرا فرماں بردار ہے۔

شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

ترجمہ :- یہ انصاف کی بات نہیں کہ تو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار نہ رہے۔ (اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل نہ کرے)۔

ارے او کمبختی مارے انسان ! اگر کوئی دوست تجھ کو کوئی میوہ بھیجے تو کیا اس کے کھاتے وقت دل میں اس دوست کا خیال نہ آئے گا، ذرا انصاف سے سچ بتا، خدا کا دیا ہوا کھانا ہر وقت تیرے سامنے آتا ہے کسی دن بھی کھانا کھاتے وقت خدائے تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، سارا کھانا کھا جائیں گے لیکن کسی لقمہ پر بھی یہ خیال نہیں آتا کہ ہائے یہ نعمت مجھ کو دینے کیلئے اپنی ساری مخلوق کو میرا غلام بنایا، اور یہ سب میرے کام میں مصروف ہیں، تب کہیں یہ چیز مجھ کو ملی ، وہ محتاج نوجوان بادشاہ کا داماد بننے سے سب امراء، اس کے غلام بن گئے تھے، اسی طرح تو خدا کا پسندیدہ ہونے سے سب مخلوق تیری خدمت کر رہی ہے، کبھی تو غور کیا کہ کیا تو بھی کسی مخلوق کی خدمت کرتا ہے، معلوم ہوا نہیں کرتا ہے، وہ داماد بھی کسی کی خدمت نہیں کیا، سب اس کی خدمت کرتے تھے ، اگر وہ محتاج نوجوان شہزادی کی دی ہوئی چیز کو شہزادی ہی کی مخالفت میں

صرف کرے تو آپ کیا کہیں گے اور خود شہزادی بھی کیا کہے گی، آپ بھی ملامت کریں گے اور شہزادی بھی کہے گی کہ ہائے تو نے میری کچھ قدر نہ کی، اسی طرح جنتی چیزیں مثلاً یہ ہاتھ، پاؤں اور اعضاء وغیرہ آپ کو دیئے گئے ہیں تو وہ معرفت الٰہی حاصل کرنے کیلئے ہیں لیکن آپ ان سب چیزوں کو خدا کی مخالفت میں صرف کر رہے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ''۔ (پ ۷۔ ع ۱۱۔ انعام) ساری کائنات سے فائق ہونے کا طریقہ یہ تھا کہ آپ معرفت حاصل کرتے، تمام مخلوق کی عبادت بے نمک محبت ہے، اور انسان کی عبادت جوشِ محبت سے ہے اور اس کو حاصل کرنے کیلئے کثرت سے ذکر ہو، ہمیشہ یادِ الٰہی میں رہے، کثرت سے نماز پڑھی جائے، اس سے ایک نہ ایک دن محبت پیدا ہو ہی جائے گی۔

جس طرح کثرت ذکر، محبت پیدا کرتا ہے، اسی طرح دل میں محبت پیدا ہونے کی خبر بھی دیتا ہے، دیکھئے جب دنیا میں کسی عورت سے محبت ہو جاتی ہے تو ہر بات میں اسی کی یاد لگی رہتی ہے، وہی دھن بندھی رہتی ہے۔

**حکایت** :- ایک بخیل نے اپنے کسی دوست کو ایک مرغی دی تھی، جب کبھی کسی بات کا تذکرہ آتا تو اس کو وہ مرغی یاد آتی، کہتا فلاں بات اس دن ہوئی تھی جب میں نے تم کو وہ مرغی دی تھی۔ اسی طرح کہتا بچہ اس دن پیدا ہوا جس دن میں نے تم کو مرغی دی تھی، وہ فلاں شخص اس دن مرا تھا، جب میں نے تم کو مرغی دی تھی۔ ہر واقعہ کا پتہ بتانے کیلئے وہ مرغی کا ذکر ضرور کرتا آخر وہ دوست تنگ آ کر ایک مرغی خرید کر

دیدیا اور کہا بھائی اب تو اس مرغی کا ذکر چھوڑ دے۔

اسی طرح جس کا خیال بندھ جاتا ہے تو وہی رنگ چڑھ جاتا ہے اور ہر وقت وہی چیز یاد آتی رہتی ہے، ایسا ہی خدا اور رسول کو بہت یاد کرنے سے ان سے محبت ہو جاتی ہے اور محبت ہونے سے ہر وقت یاد آتے رہتے ہیں، شادی وغیرہ میں نجومی سے پوچھتے ہو کہ کونسی ساعت منحوس ہے، آپ یہ محنت کیوں اٹھاتے ہیں۔

سنو صاحبو! میں بتاتا ہوں کہ کونسی ساعت منحوس ہے؟ سنو وہی ساعت منحوس ہے کہ جب آپ خدا سے غافل رہے ہوں۔

**حکایت** :- ایک دفعہ ایک شکاری اپنی ایک کم سن لڑکی کو لئے تالاب گیا، تا کہ مچھلی کا شکار کرے، باپ مچھلی پکڑ پکڑ کر لڑکی کو دیتا جاتا اور لڑکی اِدھر باپ سے لیتی اور اُدھر پانی میں چھوڑتی جاتی۔ شکاری کو اس کی خبر ہی نہیں ہے، جب شکار سے فارغ ہو کر اوپر آیا تو دیکھا کہ ایک بھی مچھلی نہیں ہے، تب بیٹی سے پوچھا کہ وہ مچھلیاں کیا کئے، لڑکی نے کہا کہ میں تم سے ہی سنی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے ہیں کہ مچھلی اسی وقت شکار ہوتی ہے کہ جب وہ خدا کی یاد اور اس کے ذکر سے غفلت کرتی ہے تو باوا جو چیز یادِ الٰہی سے غافل ہو، اس کو ہم کیا کھاتے، کہیں اس کے اثر سے ہم بھی غافل نہ ہو جائیں اس لئے میں نے چھوڑ دیا۔

چونکہ آپ کو نماز اور ذکر کر کے تمام مخلوق سے سبقت لے جانا ہے، اس لئے نماز اور ذکر میں بے حد آسانیاں رکھی گئی ہیں، دنیا میں جو بڑے بڑے حُکام ہیں پہلے تو ان سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا، اگر کبھی ملا بھی تو خانساماں، اردلی، چپراسی کی ضرورت ہے، خدائے تعالیٰ سے تو کوئی بڑا بادشاہ نہیں ہے مگر یہ دربار ایسا کھلا ہوا ہے

کہ نہ خانساماں کی ضرورت ہے نہ اردلی نہ چپراسی کی، ''اُدۡعُوۡنِیۡ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ''۔ (پ۲۴۔ رکوع ۶۔ سورۂ مومن) تم مجھے پکارو، میں خود تمہاری سنتا ہوں، ''فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ'' (پ۲۔ سورہ بقرہ) ''تم مجھے یاد کرو میں میں تم کو یاد کرتا ہوں''۔ چھوٹے چھوٹے حکام کے پاس حضور، سرکار کے سوا کوئی بات نہیں کرسکتا، انگریزی میں ہی ہدایتیں دیتے ہیں، عرضی لیتے ہیں، لیکن ہمارے پاس ارے تُو جس زبان کا ہے اس میں کہہ، ہم تیری سنتے ہیں، ہم کو حضور سرکار کی ضرورت نہیں تو کہہ میرے اللہ! میں کہتا ہوں کیا ہے میرے بندے! حُکّامِ دنیا کو دیکھئے اگر کبھی بات کرنے کی اجازت مل بھی جاتی ہے تو بڑے آداب و القاب کے ساتھ بات کرنا پڑتا ہے اگر خدا کے پاس بھی ایسا ہی ہوتا تو بتلایئے کہ ہم اس کے لائق القاب کہاں سے لاتے اسکی بے انتہا رحمت کو دیکھو، صرف نام لینے کی اجازت دیتے ہیں، القاب کی ضرورت نہیں، بادشاہوں کے دربار میں اگر کوئی حاضر ہوکر بات کرنا چاہے تو پاک وصاف ہو، بدبو نہ آتی ہو، ورنہ نکال دیا جائے گا، لباس صاف ستھرا ہو، اگر یہاں بھی ایسی ہی شرط ہوتی، تمام دریاؤں کا پانی نہاتے تب بھی اس کا نام لینے کے لائق نہ ہوتے :۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب

ہنوز نام تو گفتن کمالِ بے ادبی ست

ترجمہ:۔ اپنے منھ کو ہزارہا مرتبہ بھی مشک ملے ہوئے گلاب سے دھوئیں۔ تب بھی اس کا نام مُبارک لینا انتہائی بے ادبی ہے۔

مگر اس رحمت کو تو دیکھو، بندے تو جس حال میں ہو، پاک، ناپاک، وضو، بے وضوء ہمارا نام لے، ہم کو پکار، حاکموں کے پاس کچھ عرض کرتے ہیں تو ادب

سے بیٹھ کر عرض کرتے ہیں، یہاں حکم ہوتا ہے ''فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ'' (پ ۵۔ رکوع ۱۵۔ سورۂ نساء)۔ کھڑے بیٹھے، لیٹے ہر حال میں ہم کو یاد کرو کم سے کم اتنا ہی کہہ دیتے کہ اگر تجھ سے گناہ سرزد ہو تو ہمارا نام نہ لینا تو پھر کبھی نام لینا نصیب ہی نہ ہوتا۔ اس لئے حکم دیتے ہیں بندے لے ہمارا نام لے، یہ نام لینا ہی تجھ کو ایک دن گناہ ترک کروادے گا۔

**حکایت** :- ایک ناپاک شخص کا دریا پر گزر ہوا، دریا نے کہا آجا میں تجھ کو پاک کردوں، اس نے کہا میں ناپاک ہوں، تیرے پاس آنے سے شرم آتی ہے، دریا نے کہا یاد رکھ تو اسی وقت پاک ہوگا کہ جب تو میرے پاس آئے گا۔ ورنہ اگر تو دُور دور پھرتا رہے گا تو ناپاک ہی رہے گا۔ ایسی ہی حالت میں آجا۔ ایک موج اٹھے گی اور تجھ کو پاک کردے گی۔ ایسا ہی اگر تم گناہ میں ڈوبے ہوئے ہو تو کچھ پرواہ نہیں، اس کے ذکر وطاعت اور نماز میں لگے رہو، ایک رحمت کی موج اٹھے گی اور تم کو گناہوں سے پاک وصاف کردے گی۔

میرے بندے تو اس بات کا انتظار مت کر کہ میرے ذکر کا، میری دعا کرنے کا نماز پڑھنے کا، خدا جواب کیوں نہیں دیتا۔ ارے یہ بھی ہماری رحمت ہے، موسیٰ علیہ السلام کا کیا حال ہوا۔ پہاڑ کی کیا گت بنی، تیری بھی وہی حالت ہوتی تو ہمارے کلام کو کس طرح برداشت کرتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسے وحی کے وقت اونٹ کھڑا ہوا بیٹھ جاتا، چہرہ مبارک پسینہ پسینہ ہو جاتا، اور اس طرف کا ہوش نہ رہتا، اگر کسی کا معشوق یہ کہے کہ تم عرض حال کرو، ہم پردہ کے پیچھے سے سنتے ہیں تو عاشق اس کو بھی ایک دولت سمجھے گا کہ میری ایسی کہاں قسمت تھی کہ میں کہتا رہوں اور وہ

سنتے رہیں، رو رو کر اپنا حال بیان کرے گا اور اس کو وہی لطف آئے گا جو سامنے بیٹھ کر سنانے سے آتا ہے ایسا ہی تم بھی نماز پڑھ کر سناؤ وہ سن رہے ہیں۔

صاحبو! کہیں ایسی اجازت اور اتنی رحمت بھی دیکھے ہو، بڑا غضب ہے کہ اُدھر سے یوں رحمت کا جوش ہو، اور ادھر سے یہ اعراض اور دور، دور رہنا ہو۔ ہر وقت کیلئے اجازت دے دی کہ جب چاہو باتیں کرلو، ہمارا نام لے لو، ہم سنتے رہتے ہیں پھر نام بھی کتنا سہل اور مختصر کہ بچہ بھی چاہے تو کہہ سکتا ہے۔

اور شیریں اور بامزہ ایسا ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں مبالغہ نہیں کرتا بلکہ جب میں اللہ کہتا ہوں تو میرا منہ اس قدر میٹھا ہوتا ہے کہ مصری سے بھی اتنا میٹھا نہیں ہوتا۔

اور نام بھی ایسا پیارا کہ دنیا میں جتنے نام ہیں اگر ان میں سے ایک حرف بھی کم کیا جائے تو وہ نام بگڑ جاتا ہے، بخلاف اللہ کے کہ اگر الف نکال دیا جائے تو لِلّٰہُ باقی رہتا ہے، لام اول نکال دیا جائے لَهُ باقی رہا۔ ''لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' اور اگر لَامْ ثانی گرا دیا تو ہُ رہا ''اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج''۔ (پ ۳۔ رکوع ۳۳۔ سورہ بقر)۔

غرض خدا اپنا ایسا پیارا نام کہنے کی رغبت دلاتا ہے جیسے شفیق باپ جب اپنے چھوٹے بچے سے کوئی لفظ کہلانا چاہتا ہے اور اس کو وہی لفظ پیارا معلوم ہوتو کہتا ہے میاں! تم یہ کہو، ہم تم کو مٹھائی دیتے ہیں، ہم تم کو یہ دیتے ہیں، ایسا ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے، تیرا اَللّٰہُ بولنا مجھ کو بہت پیارا معلوم ہوتا ہے تو ایک بار اللہ کہہ میں تجھ کو حور دیتا ہوں، جنت دیتا ہوں، کس محبت سے ذکر کی، نماز کی رغبت

دلاتے ہیں۔ افسوس ہے ان پر کہ جو پھر بھی اس کا ذکر نہ کریں، اس قدر رعایت کرنے سے مقصود یہی ہے کہ کثرت سے ذکر کیا کرو، اسی واسطے فرماتے ہیں ''قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ ''۔ (پ ۷۔ ع ۱۱۔ انعام) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے) اس آسانی پر بھی خدا کا ذکر کر کے محبت پیدا کر کے تمام مخلوقات نہ بڑھ جائے تو یہی کہا جائے گا ''وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ''۔ (پ ۷۔ ع ۱۱۔ انعام)۔

سنو صاحبو! اس مبارک نام کا ایک اور اثر بتاتا ہوں، ساری دنیا جس چیز کی تلاش میں ہے وہ ان کو نہ ملی، اگر وہ چیز ہے تو اسی مُبارک نام میں ہے، ایک شخص اولاد چاہتا ہے تو دوسرا اس کی دُھن میں ہے کہ کوئی بڑا عہدہ مل جائے، کسی کی یہہ آرزو ہے کہ چند ایکڑ کھیت مل جائیں، کوئی چاہتا ہے پختہ مکان بن جائے، کوئی چاہتا ہے بیوپار خوب ہو، کوئی چاہتا ہے کہ حکام میں میری وقعت ہو جائے، بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص ایک جدا چیز کا طالب ہے مگر آپ غور کر کے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ سب ایک ہی چیز کے طالب ہیں، صرف نام الگ الگ ہیں، جیسے مولاناؒ فرماتے ہیں:-

**حکایت** :- ایک سفر میں چار شخص جا رہے تھے ایک ترکی، ایک فارسی، ایک عرب اور ایک رومی، ان کو ایک روپیہ مل گیا، سب کی طبیعت انگور لینا اور کھانا چاہی، مگر سب کی زبان الگ الگ تھی، ایک کی بات دوسرا نہیں سمجھ سکتا تھا، عرب نے کہا کہ میں ''عِنَبْ'' لوں گا، ایرانی نے کہا کہ میں انگور لوں گا، رومی نے کہا کہ میں استافیل لوں گا، اور ترکی نے بھی اپنی زبان میں کچھ کہا، اور سب آپس میں جھگڑنے لگے ایک شخص جو اِن سب زبانوں سے واقف تھا اس نے کہا ٹھیرو میں تم سب کی فرمائش پوری کرتا ہوں، انگور خرید لایا تو عرب نے کہا عنب ہے، ایرانی نے کہا انگور ہے، رومی نے کہا

استافیل ہے، ترکی نے بھی یہی کچھ کہا، غرض چیز ایک تھی اور نام الگ الگ۔

ایسا ہی چیز ایک ہی ہے راحت وچین، کسی نے اس کا نام اولاد رکھا کہ اولاد ہوئی تو قلب کو اطمینان ہوگا، کسی نے اس کا نام جائداد رکھا کہ اس سے قلب مطمئن ہوگا، کسی نے اس کا نام حکومت رکھا کہ اس سے مجھ کو راحت وچین ملے گا۔ اسی واسطے کسی کو بیس ہزار روپئے ملے تو وہ مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتا، اس خیال سے کہ خوب چین سے گذرے گی، دوسرے کو وحشت ہونے لگی کہ لواب میرا چین گیا بکھیڑے پیچھے لگ گئے۔

**حکایت** :- حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شاہ جہاں بادشاہ وقت نے حاضر ہوکر ایک بہت بڑی رقم نذر کی، شاہ صاحب فرمائے باوا میرا خرچ ہی کچھ نہیں ہے اور جو کچھ ہے وہ خدا پوری کردیتا ہے تمہارے یہ روپئے لے کر کیا کروں، شاہ جہاں کے دل میں شاہ صاحب کی بڑی وقعت ہوئی، شاہ جہاں کے ساتھ ایک مولوی صاحب بھی تھے ان کو ہوا حسد، وہ کہنے لگے شاہ صاحب حدیث شریف میں آیا ہے کہ آدمی جب بوڑھا ہوتا ہے تو اس میں دو چیزیں جوان ہوتی ہیں، ایک حرص اور ایک طول امل۔ حدیث شریف تو غلط نہیں ہوسکتی، آپ بھی بوڑھے ہیں، آپ میں بھی حرص ہونا ضروری ہے، آپ بناوٹ کررہے ہیں۔

شاہ صاحب نے فرمایا کہ مولانا آپ حدیث پڑھے مگر حدیث کا مطلب نہیں سمجھے، حضرت ''لِیُشَیِّبَ'' فرمائے ہیں جوان وہی ہوگا جو پہلے پیدا ہوا ہو، مجھ میں حرص پیدا ہوئی ہی نہیں تو وہ اب جوان کہاں سے ہوگی، مگر مولوی صاحب آپ میں حرص پیدا ہوچکی تھی اب بڑھاپے میں اس کی جوانی کا عالم ہے، مولوی صاحب بھی دنگ رہ گئے۔

غرض سب چین واطمینان وراحت کے طالب ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ چین واطمینان کس چیز میں ہے کسی شخص نے اپنی تمام عمر دنیا میں آرام وچین سے بسر نہیں کی بڑی کوشش سے سامان راحت جمع ہوتے ہیں، لیکن راحت نہیں ملتی، اس لئے کہ پہلے تو تمام آرزوں اور خواہشات کا پورا ہونا مشکل ہے اگر ہو بھی جائیں تو چین نصیب نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی پریشانی ضرور رہتی ہے۔

**حکایت** :- ایک مجرد شخص کسی عیال دار سے اس کی خیریت پوچھا، عیالدار بگڑا کہا خیریت ہوتی ہے تم جیسے منحوسوں کے پاس، اکیلی جان، سنیاسی کی طرح بس خیریت ہی خیریت ہے، ہمارے یہاں کیوں خیریت ہوتی، اللہ کے دیئے ہوئے بیوی بچے بھی ہیں، پوتے پڑپوتے، نواسے، نوکر، چاکر ہیں، کسی کا سر دکھ رہا ہے، کسی کو دست آرہے ہیں، کسی کی آنکھ دکھ رہی ہے، ہمارے یہاں کیسے خیریت ہوتی۔

بالکل سچ ہے جتنا سامان بڑھتا ہے، اسی قدر افکارات بھی بڑھتے جاتے ہیں۔

**حکایت** :- ایک فقیر کو بادشاہت مل گئی، کسی نے مُبارک باد دی تو اس نے کہا۔

وے روز غمِ نانے داشتم

ترجمہ:- (جب فقیر تھا) اس وقت (صرف) ایک روٹی (میسر آنے کا) غم رہتا تھا۔

امروز غم جہانے

ترجمہ:- (اب جبکہ بادشاہ ہوگیا ہوں) اس وقت ایک جہاں (یعنے پوری سلطنت کا) غم ہے۔

ایک شخص کو اولاد نہ ہوتی تھی، یہی غم تھا، اب اولاد ہوئی، بیمار ہے، اس سے بڑھ کر پریشانی ہوتی ہے کہ مرتا ہے یا زندہ رہتا ہے، اگر زندہ رہ گیا تو اولاد کی اولاد، نہ

ہونے کی فکر ہے، یہ رنج رہتا ہے، غرض کسی طرح چین نہیں۔ اسی طرح کہیں سے ایک ہزار روپیہ مل گیا، ساری رات اس کی حفاظت کی فکر میں چین نہیں، صبح کو دیکھتے ہیں کہ صندوقچہ ہی ندارد ہے تو اس غم کی کوئی حد نہیں، مال تو آیا بھی اور گیا بھی، لیکن یہ غم، اور پریشانی نفع میں رہی۔

**حکایت**:- ایک دفعہ ایک چور کسی کا گھوڑا چرا لایا، راستہ میں ایک اور چور ملا پوچھا، بھائی کیا اس کو بیچتے ہو، اس نے خیال کیا کہ اس سے اچھا اور کیا موقع ملے گا کہ اِدھر چوری کی اور اُدھر خریدار مل گیا اور پکڑے جانے کا ڈر ہی نہ رہا اس سے پہلے چور نے کہا ہاں بیچتے ہیں، تب دوسرے چور نے کہا کہ بھائی ذرا سوار ہو کر تو دیکھ لوں کہ کہیں اس میں کوئی عیب تو نہیں ہے۔ پہلا چور راضی ہو گیا، دوسرے چور نے کہا ذرا میرے جوتے سنبھالو، دس قدم چلا کر دیکھ لوں۔ دوسرا چور گھوڑے پر بیٹھ کر یہ جا وہ جا چل دیا۔ پہلا چور جوتے ہاتھ میں لیا منہ دیکھتا رہ گیا، پہلے چور سے لوگوں نے پوچھا کہ گھوڑا کیا ہوا، کیا اس کو بیچ دیئے، کہا ہاں بیچ دیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ کتنے میں فروخت کیا۔ پہلے چور نے کہا جتنے میں لایا تھا اتنے ہی میں فروخت کیا اور یہ جوتیاں نفع میں رہ گئیں، یعنی مفت آیا اور مفت گیا اور یہ جوتیاں نفع میں ملیں۔

اسی طرح وہ روپیہ آنے کی اتنی خوشی نہیں ہوئی کہ جتنا ان کے جانے کا غم ہوا پھر اس پر نفع میں یہ پریشانی کہ پولیس میں رپورٹ لکھواؤ وغیرہ۔ اسی طرح اگر کوئی صاحب جائداد ہے تو مقدمہ بازی سے فرصت نہیں، مجلس عالیہ تک لڑنے موجود، اگر پھر بھی ہار دیئے تو جائداد تو گئی ہی، اس بات کا غم نفع میں رہا کہ ہائے اتنا روپیہ خرچ ہو گیا ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی کی حس ہی بگڑ گئی ہو تو اس کو یہ پریشانیاں

، پریشانیاں ہی معلوم نہیں ہوتیں، ٹھیرو ! ایک وقت آتا ہے کہ جب حِس درست ہوگی۔ وہ کونسا وقت ہے وہ موت کا وقت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے،''اَلنَّاسُ نِيَامٌ فَاِذَا مَاتُوا اِنْتَبِهُوا''(ترجمہ) لوگ سورہے ہیں جب مریں گے تو بیدار ہونگے موت کے وقت حقیقت کھلے گی، حِس درست ہوجائیگی، ضروریات کانہیں فضولیات کاغم ،کوئی سانپ کی خاصیت رکھے گا تو کوئی بچھوکی۔

غرض ساری دنیا چین وراحت کی تلاش میں ہے مگر کسی چیز میں چین و طمینان نہیں،''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ''(پ۱۳۔رکوع ۴۔سورۂ رعد) (خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوجاتا ہے) اللہ تعالیٰ حصر سے فرماتا ہے یادرکھو اگر چین و اطمینان ہے تو خدا کی یاد میں ہے۔ پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ خدا کی یاد کسے کہتے ہیں؟

(۱) اللہ اللہ کرنا۔

(۲) ہمیشہ اس کا دھیان رکھنا۔

(۳) اس کی پوری اطاعت کرنا۔

(۴) دل میں اس کی یاد بسالینا۔

(۵) اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنا۔

یہ سب ذکر ہے، خدا کی یاد ہے، جب ان طریقوں سے خدا کی یاد کی جائے تو یہ ایسا قرنطینہ بیٹھ جاتا ہے کہ کتنی ہی پریشانیاں آئیں. گو وہ جسم پر اثر کریں گے، مگر دل تک نہ پہونچ سکیں گے، میں نہیں کہتا کہ ان پر کوئی مصیبت نہ آئے گی، آئے گی مگر اس سے پریشانی اورالجھن نہ ہوگی، ان کا قلب مطمئن، نہایت مطمئن ہوگا، آپ

فرماتے ہوں گے کہ یہ بھی عجیب الٹی تقریر ہے کہ جسم پریشان لیکن دل پریشان نہیں، یہ کیسا ہوسکتا ہے۔

اس کو یوں سمجھئے کہ آپ کا کوئی محبوب ہے اس کی ...... جدائی میں گھل گھل کر یہ حالت ہوگئی کہ صرف ہڈیاں، پھسلیاں باقی رہ گئی ہیں، اور معشوق اچھا طاقتور بھی ہے اتفاق سے اس ملاقات ہوگئی، وہ بغل میں لے کر خوب زور سے دبایا، جسم پراثر وہ تکلیف کہ ہڈی، پھسلی ٹوٹی جارہی ہے، مگر دل پر کچھ اثرنہیں، بے حد خوش ہے خود سے کہتا ہے کہ ہائے ایک نظر دیکھنا بھی نصیب نہ ہوتا تھا، یا آج اس طرح بغل گیر ہورہا ہوں، اگراس وقت وہ محبوب کہے کہ کیوں اگر تم کو میرے دبانے سے تکلیف ہورہی ہے تو میں تم کو چھوڑ کر تمہارے رقیب کو دباتا ہوں، تب یہ سن کر وہ یہ کہنے لگا۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ترجمہ:- تیرے تلوار سے قتل ہونا دشمن کو نصیب نہ ہو۔ دوستوں کے سر سلامت رہیں تاکہ تو اپنا خنجر آزمائے۔

اسی طرح خدا کی یاد کرنے والے کہ ان کا جسم پریشان رہتا ہے مگر مطمئن اور چین میں ہے۔ غرض جب خدا سے تعلق ومحبت ہوجائے تو اس صورت میں خدا کی طرف سے جو حکم ہوا، اس پر یہ راضی رہتے ہیں، یعنی یوں ہوجائے یہ راضی، اور یوں ہوجائے، تب بھی یہ راضی کسی حال میں ناراض ہی نہیں، تو اب پریشانی کیوں محسوس ہوگی سب سے بڑی چیز موت ہے، دیکھئے اس کے ساتھ معاملہ کیا ہے۔

**حکایت** :- حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کو توبہ کا اس طرح موقع آیا کہ آپ کی دواسازی کی دُکان تھی، آپ کا دُکان پر بیٹھے ہوئے نسخہ باندھ رہے تھے، ایک درویش کمبل پوش دُکان کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے حضرت فریدالدینؒ کو دیر تک تکتے رہے، حضرت عطارؒ فرمائے بھائی جو لینا ہے لو کھڑے کیا دیکھ رہے ہو، درویش نے کہا تمہاری دُکان میں کیا کیا بھرا ہوا ہے، ان سب چیزوں میں پھنسی ہوئی روح تمہارے مرتے وقت کیسے نکلے گی؟ حضرت عطارؒ کو اس وقت تک باطن کا مزہ ہی نہ لگا تھا، آپ نے فرمایا جیسے تمہاری نکلے گی، ویسے ہماری بھی نکلے گی۔ درویش نے کہا ہمارا کیا ہے .جی یہ کہہ کر دُکان سامنے کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے اور فرمائے اس طرح نکلے گی۔ پہلے تو حضرت عطارؒ اس کو ہنسی سمجھے لیکن جب بہت دیر ہوئی تو نزدیک آکر دیکھے تو واقعی وہ درویش مردہ ہیں۔ حضرت عطارؒ کے دل پر چوٹ لگی، چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے، جب افاقہ ہوا تو دل دنیا سے سرد ہو چکا تھا تب خدا کی یاد کی طرف متوجہ ہوئے اور خدا کی یاد کو اس طرح دل میں بسا لئے کہ مولانا فرماتے ہیں: ؎

هفت شهر عشق را عطار گشت

ما هنوز اندر خم یک کوچه ایم

ترجمہ :- (عطار (رحمۃ اللہ علیہ) عشق کے سات (۷) شہر کی گشت لگائے یعنی سات شہر گھوم ڈالے)۔ (میں ابھی (عشق کی) ایک گلی میں ہی ہوں۔)

صاحبو! یہ ہے اطمینان قلب کہ جو کہیں میسر نہیں، اگر ہوتا ہے تو خدا کی یاد میں ہوتا ہے، چنانچہ مولاناؒ فرماتے ہیں: ؎

گر گریزی ہر امید راحتے

زاں طرف ہم پیشت آید آفتے

ترجمہ :- (اگر راحت (و آرام) کی امید میں بھاگا بھاگا پھرے گا۔ (ہر طرف سے تیرے سامنے آفت آئے گی)۔

بجز خدا کی یاد کے کہیں آرام نہیں، یہ ہے اس مبارک نام کا اثر، میں یہ نہیں کہتا کہ نماز شروع کرتے ہی اور ذکر شروع کرتے ہی اطمینان وچین اس طرح کا حاصل ہوجائے گا بلکہ یہ ذکر، نماز وغیرہ سبب ہیں اطمینان کا، جتنا جتنا ذکر بڑھے گا ویسا ویسا اطمینان بڑھتا جائے گا، جب ذکر کامل ہوگا، نماز کامل ہوگی تو چین واطمینان بھی کامل ہوگا۔ پھر موت کے وقت (ہزار زندگی قربان اس موت کے) ارشاد ہوگا۔

"یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ق لا ۝ ارْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ج ۝ (پ ۳۰۔ رکوع ۱۔ سورۂ فجر)۔ (اے جان اطمینان والی، جس کو اللہ کی یاد میں چین وراحت ملتا تھا اپنے رب کی طرف آجا۔)" فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ لا ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ع ۝" (پ ۳۰۔ رکوع ۱۔ سورۂ فجر) (پس میرے بندوں میں شامل ہوجا، اور میری جنت میں داخل ہوجا)۔

غرض صاحبو! میں عرض کررہا تھا کہ اس آسانی پر بھی خدا کا ذکر کرکے، نمازیں پڑھ کر، محبت پیدا کرکے مخلوقات سے نہ بڑھیں تو یہی ارشاد ہوگا "وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ" (پ ۷۔ رکوع ۱۱۔ سورۂ انعام) پھر اس معرفت اور محبت کا طریقہ بتانے میں اشاروں سے کام نہیں لیا، اگر ایسا ہوتا تو بڑی دقت پڑتی، شاید ہی کوئی ایک ان اشاروں کو سمجھ سکتا۔

**حکایت** :- علی حزیں شہزادۂ ایران کو اتفاق سے ایک خادم رمضانی نامی ایسا مل

گیا تھا کہ اشاروں کو سمجھتا تھا، اتفاق سے ایک دن یہ پُرانا نوکر کہیں گیا ہوا تھا اور ایک نیا نوکر اس کے سامنے حاضر تھا کہ اس وقت ایک شخص ایک رقعہ لا کر دیا، جس میں لکھا تھا کہ لیموں کی ضرورت ہے، آپ کے باغ کے تھوڑے لیموں عنایت کیجئے۔ شہزادہ نے چہرہ پر بل ڈال کروہ رقعہ ملازم کو واپس دیدیا۔ نیا خادم پریشان تھا کہ شہزادہ نے زبان تو بند کرلی، لیکن چہرہ سے ناگواری کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں کس بات پر بگڑے ہیں، اتفاق سے رمضانی آ گیا، اس سے نئے خدمتگار نے سارا قصہ سنایا۔ تب رمضانی نے اس سے کہا کہ چہرہ پر بل ڈال کر رقعہ واپس کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لیموں دیدو۔ کیوں کہ لیموں بھی ترش ہوتا ہے تو چہرہ ترش کر کے اجازت دے دی، یہ سُن کر نیا خادم بھاگا کہ مجھ سے کیسے نباہ ہوسکتا ہے۔

ایسا ہی اگر خدائے تعالیٰ بھی اشاروں سے فرماتا تو کیسی مصیبت تھی، ایسا نہ کیا بلکہ قرآن شریف دے کر تمام طریقے معرفت ومحبت کے حاصل کرنے کے صاف صاف بیان فرمادیا، ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی کئی مرتبہ تا کہ کچھ شبہ باقی نہ رہے، اور بیان بھی اس طور سے نہیں کہ کوئی پرچہ بھیج دیا کہ اس کو پڑھ لو، سمجھ لو۔ اس سے ممکن تھا کہ شاید شک رہ جائے، اس لئے ایک نمونہ بھی دیا جو قرآن کی مجسم زندہ تصویر تھی، وہ ذات مُبارک آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کی ہے۔ حکم ہوتا ہے قرآن پڑھو، سمجھو اور اس نمونہ کو دیکھو، اور معرفت اور محبت الٰہی آسانی سے حاصل کرو، اسی طرح جیسے درزی کو کپڑا اور شیروانی کا نمونہ دیں اور اگر وہ اس نمونہ کے مطابق سیئے تو خوش ہوتے ہیں اور اگر اس نمونہ کے مطابق نہ سیئے تو درزی کے منہ پر پھینک

دیتے ہیں، ایسا ہی اگر تمہارے اعمال بھی اس نمونہ کے موافق ہوں تو قبول کئے جائیں گے ورنہ واپس پھینک دیئے جائینگے اگر اس آسانی کے باوجود کوئی قرآن کی قدر نہ کرے اور نہ نمونۂ پاک کی، تو یہی کہا جائیگا" وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ" (پ ۷۔ رکوع ۱۱۔ سورۂ انعام) اگر اس وقت قدر نہیں کی تو ٹھیرو ایک وقت وہ آتا ہے کہ موت آگھیرتی ہے اور موت کی سختیوں میں گرفتار ہوگا، ملائکہ موت ہاتھ بڑھا کر کہیں گے کہ عالم آخرت کے شدائد دیکھ کر اب کہاں ہٹتے ہو، لاؤ اپنی خبیث روح نکالو۔ آج تم کو ذلت کا عذاب ہے اس لئے کہ تمہاری روح کو جسم کے ساتھ عبادت کر کے، نماز پڑھ کر، دنیا میں معرفت اور محبت حاصل کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا، لیکن تم نے وہاں اس کا الٹا کیا، حُب مال وجاہ، اسبابِ شہوت اور لذات جسمانیہ میں اس کو صرف کیا، تم جیسے گئے تھے ویسے ہی کورے کے کورے واپس آئے، نہ معرفت ہے نہ محبت ہے، جو کچھ مال وجاہ جمع کیا تھا، سب پیچھے چھوڑ آئے۔ مال، اولاد اور دنیا کے تمام جھگڑے کہ جن کی وجہ سے خدا کو بھلا دیا تھا، وہیں دنیا میں چھوڑ آئے، وہاں ایک ایک بات کی قدر کرو گے لیکن اُس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اس لئے صاحبو! اب بھی وقت ہے عبادت کر کے، نماز پڑھ کر، کوشش کر کے معرفت و محبت حاصل کرو، اور "وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ" کا موقع آنے نہ دو۔

صاحبو! اب میں آپ کو کچھ استغفار کے متعلق کہنا چاہتا ہوں، اس لئے کہ نماز اور دیگر عبادتیں مثل عطر کے ہیں، اور استغفار مثل صابون کے ہے اس لئے اب استغفار کے متعلق سنیئے۔

# استغفار کی فضیلت

دوستو! اب میں عذاب نہ آنے کی ایک خاص وجہ عرض کرتا ہوں غور سے سنئے۔

مسلمانو! اگر بیماری سخت ہو تو اس کا نسخہ ہزار روپئے قیمت کا لکھا جائے تو بیمار کا اعتقاد جمتا ہے اگر دو پیسہ کا نسخہ بتایا جائے تو بیمار کہتا ہے ہائے، ایسی بیماری اس کو یہ دوا کیا فائدہ دے گی، اور بیمار، تُو دوا کو کیا دیکھتا ہے دوا دینے والے کو دیکھ، یہ اس کے اعلیٰ درجہ کا تجربہ ہے کہ اس نے ہزار ہا روپئے کا کام دو پیسے کی دوا سے لیا ہے۔ ایسا ہی مسلمانو! ہم گناہوں کا زہر پی گئے ہیں اور بجائے تریاق کے اور زہر ہی پیتے جاتے ہیں، اس لئے جو عذاب نہ آئے وہ کم ہے مدینہ کا افسر الاطبہ ایک ہلکا سا نسخہ دے رہا ہے جو تریاق کا اثر رکھتا ہے یہ نسخہ کونسے دواخانہ کا بنایا ہوا ہے۔

اے دل کے بیمارو سنو! تمہارے لئے یہ دوا عرش اعظم کے اوپر تیار کی گئی ہے سنو گے تو حیرت ہوگی، ہزار ہا گناہوں کے زہر کا ایک ذرا سا چٹکلہ:۔

از پئے زہر گناہ از بشنوئی ہست استغفار تریاقِ قوی

دوستو! تمہارے تمام گناہوں کی دوا استغفار ہے، استغفار کیا کرو، تمہارے سارے گناہ ایک پلک جھپکنے تک دھو دیئے جاتے ہیں۔

**حدیث** :- ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ خدا کے پیارے نبی ہیں، مجھے کوئی ایسی چیز بتائیے کہ اس پر عمل کر کے سیدھا جنت میں چلا جاؤ۔ حضرت فرمائے ٹھیرو، تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر وہی عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ تو عصر کے پہلے (۳۰) دفعہ استغفار کیا کر، تیرے ستر برس کے

گناہ کو یہ عمل مٹادیگا، اس نے کہا میری اتنی عمر کہاں ہے یارسول اللہ، آپ فرمائے تیری ماں کے ستر برس کے گناہ، تیرے باپ کے ستر برس کے گناہ، تیرے بھائیوں کے ستر برس کے گناہ مٹادیئے جاتے ہیں۔

**حدیث**:- حضرت موسیٰ علیہ السلام پروحی آئی، موسیٰ (علیہ السلام) کیاتم کو یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے کہ تم قیامت کے ہولناک میدان میں نڈراور بے خوف رہو، موسیٰ علیہ السلام نے کہاجی ہاں، اللہ تعالیٰ نے فرمایاتم اپنے اوراپنے ماں باپ اور تمام زندہ مردہ مسلمانوں کیلئے استغفار کیا کرو، ہر مسلمان کیلئے ہردن نیا صحیفہ ہوا کرتا ہے، جب وہ اس حالت میں لپیٹا جاتا ہے کہ اس میں استغفارنہیں ہوتا ہے تو وہ سیاہ (کالا) لپیٹا جاتا ہے۔ جب اس میں استغفار ہوتا ہے۔ تو وہ نورہی نور رہتا ہے جس سے نور کے چمکارے نکلتے رہتے ہیں۔

**حدیث**:- حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مبارک اورسعادت مند شخص ہے جس کے اعمال نامہ میں استغفار کا ڈھیر لگا ہوا ہو۔

**حدیث**:- کل اعمال نامہ جب کھلے گا اور تو چاہتا ہے کہ تو اس وقت خوش خوش پھرے تواپنے اعمال نامے میں کثرت سے استغفار لکھا۔

**حدیث**:- (۷۰) بار استغفار پڑھنے سے (۷۰) برس کے گناہ مٹ جاتے ہیں، حضور علیہ ﷺ نے فرمایا کیا بدنصیب ہے، وہ بندہ کہ جس کے نامۂ اعمال میں گناہ باقی رہیں جبکہ استغفار جیسی چیز اس کو حاصل ہے۔

**حدیث**:- اللہ تعالیٰ کو کوئی آواز ایسی پیاری نہیں معلوم ہوتی سوائے اس گنہگار

بندے کی آواز کے کہ جب وہ استغفار کرتا ہے اور رَبُّ رَبُّ کہتا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہاں اے بندے، اور یہ بھی فرماتا ہے میرے فرشتو تم گواہ رہو، اس استغفار کرنے والے کو میں نے بخش دیا۔

**حدیث** :- جب بندہ استغفار کرتا ہے تو زمین و آسمان کے درمیان (۷۰) قندیلیں نور کی روشن ہو جاتی ہیں، اور ایک منادی اس سرے سے اس سرے تک ندا کرتا ہے لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ غلام نے اپنے آقا سے صلح کر لی۔

**حدیث** :- جب گنہگار ہاتھ اٹھاتا ہے اور یَارَبُّ یَارَبُّ کہہ کر استغفار کرتا ہے تو فرشتے اس کی آواز روک دیتے ہیں، اوپر کی طرف چڑھنے نہیں دیتے، پھر وہ پکارتا ہے، پھر فرشتے اس کی آواز روک دیتے ہیں کہ گنہگار کی یہ نجس آواز پاک خدا کے پاس نہ پہونچے، تین دفعہ ایسا ہی ہوتا ہے چوتھی دفعہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم میرے بندے کی پیاری، دل لبھانے والی آواز کو مجھ سے کب تک روکو گے، میرے بندے کو یقین ہو گیا ہے کہ میرے سواء کوئی اور اس کو بخشنے والا نہیں ہے، تم گواہ رہو کہ میں نے اس کو بخش دیا، اسی واسطے اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْيَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (پ۵۔ رکوع ۱۶۔ سورۃ النساء)۔ ترجمہ :- اور جس نے گناہ کیئے یا اپنے نفس پر ظلم کیا اور استغفار کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کو غفور اور رحیم پائیگا۔

اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود معصوم ہونے کے فرماتے ہیں کہ میں دن میں (۷۰) مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔

**حدیث** :- بندہ جب گناہ کرتا ہے تو ایک کالا دھبہ اس کے دل پر پڑ جاتا ہے جب اور گناہ کیا اور ایک دھبہ پڑا، ایسا پڑتے پڑتے تمام دل سیاہ ہوجاتا ہے، كَلَّا بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥ (پ ۳۰۔ کوع ۱۔ التطفیف) کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے دل کا صیقل استغفار ہے، اسی واسطے حضرت فرماتے ہیں۔

"اِنَّهٗ لَيُغَالُ عَلٰى قَلْبِىْ حَتّٰى اِنِّىْ لَاَسْتَغْفِرُاللّٰهَ فِىْ كُلِّ يَوْمٍ مِأَئَةَ مَرَّةٍ"۔

حضور کا قلب مُبارک آئینہ کے جیسا ہے لیکن قلب مُبارک پر جو زنگ آتا تھا وہ گناہ کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ کفار، مشرک، گنہگار وغیرہ کے آنے سے ان کے قلب کا اثر قلب مطہر پر پڑکر زنگ کے جیسا ہوتا تھا اور استغفار سے وہ زنگ نکل جاتا تھا۔

**حدیث** :- جب اللہ تعالیٰ بندہ کے درجہ اس کے مرنے کے بعد بلند کرتا ہے تو بندہ کہتا ہے میں نے تو کوئی ایسا عمل کیا نہیں، پھر یہ درجہ مجھ کو کس طرح ملا، حکم ہوتا ہے تیری اولاد نے تیرے لئے استغفار کیا ہے اور یہ اس کا صلہ ہے ہر چیز کرنے کے بعد امید نہیں کہ وہ قبول ہو، اور اثر دکھائے، یقین سے نہیں کہہ سکتے مگر استغفار کہ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جو استغفار کرے گا اس کی مغفرت ہوجائے گی، کیوں کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

"اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ج اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ٥" (پ ۲۹ رکوع ۱۔ سورہ نوح)۔

ترجمہ: گناہوں کی معافی چاہو اپنے پرور دگار سے بے شک وہ گناہوں کا معاف کرنے والا ہے۔ اسی واسطے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس کے دل

میں اللہ تعالیٰ استغفار کرنے کا ارادہ ڈالتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کو عذاب نہ کرے۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمام بندوں میں سے میرے محبوب وہ بندے ہیں جن میں یہ تین وصف ہوں۔

(۱) صرف خدا کے واسطے آپس میں محبت رکھتے ہیں۔

(۲) ان کے دل مسجدوں میں اٹکے رہتے ہیں۔

(۳) صبح کے وقت استغفار کیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب میں زمین والوں پر عذاب اتارنا چاہتا ہوں، پھر ان کا خیال آتا ہے تو عذاب موقوف کر دیتا ہوں۔

قطع نظر آخرت کے دنیا میں استغفار کے فائدے یہ ہیں کہ ہر تنگی میں فراخی اور ہر مشکل میں آسانی حاصل ہوگی۔ رزق اس طرح ملے گا کہ کسی کے وہم وخیال میں بھی نہ آسکے۔

اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ھود علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے کہ :-

"وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا"۔ (پ ۱۲۔ رکوع ۵۔ سورۂ ھود)۔

یہ شان ہے استغفار کی، اس لئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ٥"

(پ ۹۔ رکوع ۴۔ سورۂ انفال)۔

وہ استغفار کرتے رہتے ہیں کیسے ہم ان پر عذاب اتاریں، عذاب نہ آنے

کا ایک سبب استغفار کرنا ہے، اب رہا یہ کہ استغفار کس کو کہتے ہیں۔

**حکایت** :- ایک صاحب اپنے لئے کسی بزرگ سے کوئی وظیفہ دریافت کیے، وہ بزرگ فرمائے کہ "لَاحَـوْلَ پڑھا کرو" چند روز کے بعد وہ صاحب کی ان بزرگ سے ملاقات ہوئی، کہنے لگے آپ نے جو وظیفہ بتلایا تھا وہ میں نے پڑھا کچھ فائدہ نہ ہوا انھوں نے کہا کہ بھائی تم نے کس طرح پڑھا۔ کہنے لگے "لاحول۔ لاحول" لاحول" پڑھا حضرت نے فرمایا تمہارے لاحول پر لاحول ہے۔ لاحول سے مطلب پورا جملہ "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" پڑھنا تھا۔

اسی طرح لوگ "استغفار' استغفار، استغفار" پڑھتے رہتے ہیں، اس سے کیا ہوتا ہے، استغفار کے معنی مغفرت مانگنے کے ہیں، مغفرت مانگنا، مغفرت مانگنا کہنے سے کیا فائدہ، مغفرت مانگیئے۔ اسی طرح اکثر غلطیاں ہوتی ہیں۔

مثلاً نام کے آخر میں لکھتے ہیں طول عمرہٗ بالکل غلط ہے طُوِلَ عمرہٗ یہ پہلی غلطی ہے، استغفار میں، اس لئے جو حدیث شریف میں الفاظ آئے ہیں وہ کہو وہ یہ ہیں۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ الْعَظِيْمَ الَّذِیْ لَآاِلٰهَ اِلَّاهُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ.

بستر پر جب سونے کے لئے آپ لیٹیں تو تین مرتبہ یہ پڑھ لیا کرو، اس سے تمام گناہ مٹائے جاتے ہیں، اگر چہ کہ دریا کے کف کے موافق ہوں، یاندی کے ریت کی گنتی کے برابر ہوں یا سید الاستغفار یاد کرلو، اگر کچھ نہ ہوتو "اَسْتَغْفِرُاللّٰه" کہو، اس کے معنے یہ ہیں کہ الٰہی میں تیرے سے معافی مانگتا ہوں، اب استغفار کے متعلق دوسری غلطی یہ ہے۔

**حکایت** :- ایک شخص نے کہا کہ رضاعی بھائی بہن میں نکاح ہوتا ہے یا

نہیں، کسی نے جواب دیا کہ نکاح نہیں ہوتا، اس نے کہا وہ کیسے، واہ صاحب ہم کئے تھے تو ہوا تھا۔

دوسرے سے کہا گیا کہ بے وضو نماز نہیں ہوتی ، انھوں نے کہاواہ ہم بے وضو پڑھے تھے تو نماز ہوگئی تھی۔ ایسا ہی جب کہا جائے کہ بھائی صرف منہ سے استغفر اللہ کہنے سے استغفار نہیں ہوتا تو شائد کوئی صاحب فرمائیں کہ ہم تو کہتے ہیں اور ہو جاتا ہے صاحبو! استغفار یہ ہے کہ منہ سے استغفر اللہ کہنا اور دل میں نادم اور پشیمان ہوکر معافی مانگنا، یہ کیا مشکل ہے، شائد یہ خیال ہو کہ اب توبہ کریں اور پھر کوئی گناہ ہوجائے گا یہ شیطانی وسوسہ ہے توبہ کے وقت گناہ کرنے کی نیت نہ ہو، سچے دل سے توبہ کرو۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَاذَنْبَ لَهٗ۔

یہ گناہ تو مٹ گیا، اگر پھر گناہ ہو گیا اس کا حساب الگ رہا، بغیر مغفرت مانگنے کے جو عبادت کی جاتی ہے وہ رائیگا نہیں جاتی مگر مغفرت مانگنے کے بعد کی عبادت کی کچھ اور ہی شان ہوتی ہے، مغفرت مانگے بغیر عبادت میں نورانیت نہیں آتی۔

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک غلام ہے، آقا کی نافرمانیاں بہت کیا ہے آقا کشیدہ ہے، اس کو برطرف تو نہیں کیا، اس کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا کھاتا ہے سب کچھ ہے مگر ادھر غلام دل میں رکا ہوا ہے، کھل کر بات تک نہیں کرسکتا، اُدھر مالک متانت کی وجہ سے کچھ کہتا تو نہیں، مگر دل میں خوش نہیں، کانٹا سا دونوں کے دلوں میں کھٹکتا رہتا ہے اس خدمت میں غلام کو لطف وفرحت بھی نہیں ہوتی، ایسا ہی گنہگار عبادت کرے، وظیفہ پڑھے تلاوت کرے دل اندر خود بخود گھٹتا ہو، اس لیئے گڑگڑا

کر معافی مانگو پھر عبادت کیجئے۔ اور پھر دل کو ٹٹو لئے۔ کیسی سرخروئی اور فرحت رہے گی مجرم کے دل کو دیکھو، اور جو مجرم نہ ہو، ان دونوں کے دل کو دیکھو، وہ مجرم گھبرایا ہوا ہوگا اور یہ امنگ اور امید لیا ہوگا۔ اس لئے دل سے معافی مانگو اور منہ سے استغفر اللہ کہو، یہی استغفار ہے جس کی فضیلت آپ نے سنی، اگر چہ کہ ایک وقت کے معافی مانگنے سے معافی ہوجاتی ہے "یَسْتَغْفِرُوْنَ" (پ ۹۔ رکوع ۴۔ سورۂ انفال) بار بار معافی مانگتے ہیں، کیوں فرمایا، اس لئے کہ کسی بزرگ کو مثلاً ٹھوکر لگ جائے اور ہم معاف بھی کروالیں وہ بزرگ معاف بھی کردیں مگر پھر بھی دل کی تسلی نہیں ہوتی، بار بار کہتے ہیں کہ حضرت بڑی غلطی ہوئی بڑی حماقت ہوئی، وہ برابر کہہ رہے ہیں کہ میں نے معاف کردیا مگر یہ پریشان ہے دل مانتا نہیں، جب بہت کہہ سن لیں گے، رو پیٹ لیں گے، تب اطمینان ہوگا، ادنیٰ عظمت کا جب یہ حال ہے تو خدا کی عظمت کا کیا کہنا، جلدی قلب صاف ہوتا نہیں، بار بار معافی مانگتے جاتے ہیں۔

"ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ". (پ ۹۔ رکوع ۴۔ سورۂ انفال)۔

تیسری غلطی استغفار میں یہ ہے کہ جہاں تک تدارک ہوسکے وہ سب کر کے پھر معافی مانگے جیسے نماز قضا ہوگئے ہوں تو قضا پڑھ لئے یا حقوق العباد اس کے ذمہ ہیں تو وہ معاف کرائے یا کسی کا مال مارلیا اور کہے الٰہی معاف کر، ایسا تو کہے مگر حق العباد ادا کر کے کہے، یہ ہے استغفار۔

ان تینوں شرطوں کے ساتھ استغفار کرو، پھر دیکھو کیسا تریاق بنتا ہے۔

اسی واسطے ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ اور درود شریف کی مثال مثل عطر کے ہے اور استغفار کی مثال، مثل صابون کے ہے، پہلے صابون کا

استعمال کر کے پھر عطر لگائیں تو عطر کا لطف آئے گا۔

(۱) استغفار کی ایک قسم یہ ہے کہ دل نادم ہو کہ منھ سے استغفر اللہ کہے۔

(۲) دوسرے یہ بھی استغفار ہے کہ ان جگہوں میں جایا کرو، جہاں مغفرت ہوتی ہے۔

**حدیث**:- جہاں ذِکرِالٰہی یا وعظ وغیرہ کی مجلس ہوتی ہے تو وہاں ملائکہ کے جھنڈ کے جھنڈ جمع ہو کر ذکر سنتے ہیں اور لذت پاتے ہیں، جب یہ فرشتے واپس جاتے ہیں تو حق تعالیٰ دریافت فرماتے ہیں میرے بندے کیا کر رہے تھے، اگرچہ کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں مگر حبیب کا ذکر تو اچھا معلوم ہوتا ہے، دوسرے ملائکہ کے زبان سے ان کے فضائل بیان کراتے ہیں تا کہ ''اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَاتَعْلَمُوْنَ'' کا راز ظاہر ہو، پھر فرشتے عرض کرتے ہیں کہ آپ کا ذکر کر رہے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے اور کیا کر رہے تھے، عرض کرتے ہیں کہ جنت ملنے اور دوزخ سے بچنے کی دعاء کر رہے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ کیا انھوں نے مجھے، جنت یا دوزخ کو دیکھا ہے، فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں، اگر دیکھتے تو اور بھی زیادہ خوف کا غلبہ ہوتا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ میں نے سب کو بخش دیا، ملائکہ عرض کرتے ہیں کہ حضور فلاں شخص اس مجلس میں ذکر سننے کی غرض سے نہیں آیا تھا بلکہ کسی اور کام کیلئے آیا تھا اور وہ بھی بیٹھ گیا تھا، ملائکہ خفیہ پولیس کی طرح اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے، ''غُفِرَ لَهُ هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقِى جَلِيْسُهُمْ'' یعنی میں نے اس کو بھی بخش دیا اس لئے کہ جن لوگوں میں وہ بیٹھا تھا وہ ایسے ہیں کہ جن کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔ بزرگوں کی ہم نشینی بھی بڑی دولت ہے۔

**حکایت** :- حضرت سیدنا و مولانا قطب الاقطاب غوث الاعظم رضی اللہ عنہ وارضاہٗ سے کسی نے عرض کیا کہ حضرت فلاں مُردے کیلئے دعائے مغفرت فرمادیجئے فرمایا کہ کیا وہ شخص میرا مرید تھا، یا میرے وعظ میں کبھی بیٹھا تھا یا مجھ سے ملاقات تھی یا کبھی دور سے دیکھا تھا، یا مجھ کو جانتا تھا، عرض کیا گیا کہ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں تھی فرمایا کہ پھر اللہ تعالےٰ سے کس طریقہ سے مغفرت طلب کروں، یعنی خصوصیت کے ساتھ کس طرح اس کی مغفرت کی دعاء کروں، پھر خود ہی فرمایا کہ خصوصیت کی تو کوئی وجہ نہیں، ہاں اس طرح دعاء کرتا ہوں کہ ’’رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاخْوَانِنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا‘‘ غرض بزرگوں کی صحبت بڑی دولت ہے۔

اور حدیث ’’اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ‘‘ (میں اس کا ہمنشین ہونگا جو مجھ کو یاد کرے) اس کی موئید ہے اس طرح کہ اولیاء چونکہ ذاکر ہیں، پس وہ ہم نشین خدا ہیں تو ان کے پاس بیٹھنے والا بھی ہمنشین خدا ہے۔

(۳) تیسرے کسی کا دل خوش کر کے دعا لینا، مغفرت کروانا بھی استغفار کرنا ہے۔

**حکایت** :- شہر بغداد میں ایک شخص رہتا تھا، ہمیشہ گناہ کیا کرتا تھا، مگر اس کا ایک قاعدہ تھا کہ جو گناہ کرتا اس کو یادداشت کے کتابچہ میں لکھ لیا کرتا تھا، ایک رات، ایک خوب صورت جوان عورت کو دیکھا کہ دروازہ پر کھڑی ہے اور کچھ خیرات مانگ رہی ہے اور کہہ رہی کہ تم کو سخی سن کر آئی ہوں، میرے یتیم بچے تین دن سے بھوکے ہیں، اس نے کہا اچھا گھر میں آؤ، جب وہ عورت گھر میں داخل ہوئی، اس شخص کی نیت بگڑی، جب اس عورت کو اس کی نیت کا علم ہوا، پریشان ہوگئی، اس شخص نے جو

شہوت سے اندھا ہو رہا تھا، اس عورت کو کھینچا اور بدفعلی کرنا چاہا، اس عورت نے چہرہ اوپر اٹھا کر کہا اے مشکل کے وقت کام آنے والے خدا میری عصمت بچا۔ اور اس شخص کی طرف متوجہ ہوئی اور کہا ذرا میرے یہ اشعار تو سن، اور ان پر غور کر۔

اَلَا یَا اَیُّھَا النَّاسِیْ لِیَوْمِ رَحِیْلَۃٌ اَرَاکَ عَنِ الْمَوْتِ الْمُفْرِقِ لَاھِیَا

ترجمہ :- اے کوچ کا حسرت ناک دن بھولنے والے میں دیکھتی ہوں کہ تو پریشان کرنے والی موت سے بالکل غافل ہے۔

اَلَمْ تَعْتَبِرْ بِالطَّاغِیْنَ اِلَی الْبَلَاءِ وَ تَرْکِھِمِ الدُّنْیَا جَمِیْعًا کَمَا ھِیَا

ترجمہ :- کیا تو ان لوگوں پر نظر ڈال کر عبرت حاصل نہیں کرتا جو ایک دشوار گذار سفر کا کوچ کر رہے ہیں اور دنیا کو اسی حال میں چھوڑ کر چلے جا رہے ہیں۔

وَلَمْ یَخْرِجُوْا اِلَّا بِقُطْنٍ وَ خِرْقَۃٍ وَمَا عَمِرُوْا مِنْ مَنْزِلٍ ظَلَّ خَالِیَا

ترجمہ :- وہ دنیا سے تھوڑا سا کپڑا اور روٹی کے سوا کچھ نہیں لے جاتے ہیں، انھوں نے جو مکان بسایا تھا وہ بالکل خالی پڑے ہیں۔

وَاَنْتَ غَدًا اَوْبَعْدَہٗ فِیْ جَوَارِھِمْ وَحِیْدًا فَرِیْدًا فِی الْمَقَابِرِ ثَاوِیَا

ترجمہ :- اور تو بھی کل یا پرسوں ان کے پڑوس میں سنسان قبرستان میں تنہا اور اکیلا جائے گا۔

وہ زار و قطار رونے لگی اور کچھ اس درد کے لہجہ میں یہ اشعار پڑھنے لگی تو وہ شخص بھی لرز گیا، اور دھاڑیں مار کر رونے لگا، تب اس عورت نے کہا جب تیرے میں اور تیرے مولا میں صلح ہو جائے تو بیچ والی دلالہ کو نہ بھولیو۔ یہ شخص اندر گیا اور کچھ لا کر اس کو دیا، بہت منت سے کہا اے نیک بخت بی بی یہ لیجا اپنے بچوں کو کھلا اور میرے لئے اپنے بچوں سے دعائے مغفرت کروا کہ میرے نامہ اعمال میں جو گناہ

لکھے ہوئے ہیں وہ مٹ جائیں، وہ عورت گھر آئی اور کھانا پکا کر اپنے بچوں کے سامنے رکھا، اور اس شخص کا پیغام بھی پہنچائی ، بچوں نے کہا کہ مزدور کو جب ہی مزدوری کا استحقاق ہوتا ہے جب کہ اس نے کام کیا ہو، اس لئے جب تک ہم دعا نہ کرلیں کھانا نہ کھائیں گے۔

اِدھر اس شخص نے اپنا دفتر یادداشت کا دیکھا تو بالکل صاف اور سفید پایا، اس میں ایک بھی گناہ کا نشان نہ پایا، بہت خوش ہوا، اور گڑگڑا کر دُعا کیا، الٰہی تو نے میری کتاب سے گناہوں کو دھوڈالا، پھر اس میں گناہ لکھنے کا موقع نہ آئے، جلد ایسے حال میں ہی اپنے پاس بلالے کہ پھر گناہ کرنے کا موقع ہی نہ آئے، یہ کہا، گرا اور انتقال کرگیا۔ اس طرح سے بھی استغفار کیا کرو۔

صاحبو ! آپ استغفار کے متعلق بھی تفصیل سے سن چکے، نماز سے اور دیگر امور دینی کیلئے جو امر معروف کیا جاتا ہے، اس کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، اس لئے کہ اس میں بہت احتیاط کرنے کی ضرورت ہے سنئے:

## ● امر معروف کس طرح کرنا چاہیئے

''اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞'' (پ۱۱۔ رکوع ۱۴۔ سورۃ التوبہ)۔

جنتیوں کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ خود نیک ہوکر بس نہیں کرتے بلکہ اوروں کو بھی جنتی بنانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اسی کو ہمدردی کہتے ہیں۔

ہمدردی کا متقضاء یہ ہے کہ جو خود کیلئے پسند کرے، وہی دوسروں کیلئے بھی پسند کرے، اسی لئے فرماتا ہے، ''اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ''
(پ۱۱۔ رکوع ۱۴۔ سورۃ التوبہ)۔

**حکایت** :- ایک دفعہ ایک ایسے گاؤں پر عذاب آیا جس میں اٹھارہ ہزار عبادت کرنے والے نبیوں کی مانند عمل کرنے والے رہتے تھے، لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا یہ خدا کے واسطے کسی پر خفا نہیں ہوتے تھے، نیک بات بتانے، اور بُرے کاموں کے روکنے سے ان کو سروکار نہیں تھا، اسی واسطے امر معروف ونہی عن المنکر فرض ہے مگر اس کے کچھ آداب بھی ہیں، ان کا لحاظ بھی ضروری ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ امر معروف کرنے والا مایوس نہ ہونا چاہیئے، کوئی سنے یا نہ سنے کہا کرو۔ پیغمبروں کی یہ حالت نہیں تھی کہ ایک آدھ دفعہ وعظ کہہ کر جب دیکھے کہ لوگ جنید بغدادیؒ کی طرح نہیں ہوئے تو ان کی اصلاح سے ناامید نہیں ہوئے بلکہ ان کی حالت تو یہ تھی کہ ایک زمانہ تک وعظ کہنے کے بعد بھی ناامید نہ ہوتے تھے۔ نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو سال تک اپنی قوم کو نصیحت کیئے، اور ناامید نہیں ہوئے، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ پیغمبر علیہم السلام کتنی مدت دراز تک اپنی قوم سے مایوس نہ ہوتے تھے اور مایوس ہوکر امر معروف نہ چھوڑ دیتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تَواصَوْ بِالْحَقِّ فرمایا ہے یہ تفاعل سے ہے اور تفاعل میں مشارکت ہوتی ہے، ہر شخص دوسرے سے کہے، چھوٹا بڑے کو، اور بڑا چھوٹے کو، اس سے بڑوں کو برا نہ ماننا چاہیئے بلکہ حق بات قبول کرنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی اشرف نہیں مگر حضور نے بھی چھوٹوں کے معروضوں پر عمل فرمایا ہے۔

**حکایت** :- ایک مسجد میں ایک دولت مند نماز پڑھ رہے تھے، نماز میں تعدیلِ ارکان نہ کرتے تھے، جلد جلد نماز پڑھ رہے تھے، وہاں ایک عطر بیچنے والا بھی کہیں کا آیا ہوا تھا، جب اس دولت مند نے نماز پڑھ لی تو عطر والے نے کہا سرکار آپ کی نماز نہیں ہوئی پھر پڑھ لیجئے۔ دولت مند نے کہا پاجی، مردود، تیرا منھ اور تو ہم کو نصیحت کرے، بڑا نمازی آیا، اس عطار نے کہا خیر پاجی، مردود ہی سہی، مگر آپ خدا کے واسطے نماز پڑھ لیجئے، ان کو اور زیادہ غصہ آیا، اس عطار بیچارے کو خوب مارا، مگر اس نے پیچھا نہیں چھوڑا، پٹ کر کہا مجھے اپنے پٹنے کا غم نہیں، مجھے آپ کی نماز کی بہت فکر ہے میرا دل بہت دکھ رہا ہے کہ آپ کی نماز مقبول نہیں ہوئی میرا جسم تو اچھا ہو جائیگا مگر آپ کی نماز کیسے اچھی ہوگی اس لئے آپ نماز پڑھ لیجئے، اس کا ان دولت مند صاحب پر ایسا اثر ہوا کہ ان کو نماز دوبارہ پڑھنا ہی پڑی، تمام گاؤں میں عطار کی شہرت ہوگئی، جدھر جاتا لوگ کہتے ''اَمر مَعْرُوف'' اس کو کہتے ہیں، سب اس کی قدر کرتے، برکت کے واسطے اپنے گھر لیجاتے اس کا عطر خرید تے، خدائے تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ جو شخص ہمارے ساتھ تعلق رکھتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس کی ایسی ہی عزت ہوتی ہے۔

اگر کوئی ہم کو نصیحت کرے خواہ وہ درجہ میں کتنا ہی چھوٹا ہو، ہم کو ناگوار نہیں ہونا چاہیئے تیسری بات یہ ہے کہ ''امر معروف'' جیسے حکام وقت یا مالدار جس آسانی سے کر سکتے ہیں ایسا اثر دوسروں کے کہنے میں نہیں ہوتا ہے، مثل مشہور ہے، سو سنار کے ایک لوہار کا، مولویوں کے سو بار کہنے کا وہ اثر نہیں جو حاکم وقت کے ایک بار کا ہوتا ہے اصل تو یہ ہے کہ مالداروں یا حاکم وقت کے ساتھ عام طور پر لوگوں کے اغراض

ہوتے ہیں، منافع وابستہ ہوتے ہیں، ان کی مخالفت سے ان کے نفع فوت ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ خوشامد کرنا ہی پڑتی ہے، جدھر وہ چلیں ادھر چلنا ہی پڑتا ہے، عام لوگوں کی یا مولویوں کی دوڑ یہ ہے کہ زبان سے سمجھائیں گے، حکام کو یہ بھی قدرت یہ کہ زبردستی کام کروالیں، اللہ اللہ کیا قرآنؐ پاک ہے، اِسی واسطے احسان جتلاتے ہوئے فرماتا ہے ''وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاسٌ شَدِیْدٌ ۝'' ہم نے لوہے کو پیدا کیا کہ اس سے خوف پیدا ہوتا ہے، سنگینوں کی نوک اور تلوار کی چمک حاکموں کے اختیار میں ہے جس کی چمک سے آنکھیں ہی بند ہوجاتی ہیں، بیڑیوں کی جھنکار سے روح کانپتی ہے وہ بھی لوہے ہی کے ہوتے ہیں، اور یہ حاکموں کے اختیار میں ہیں، مولانا محمد یعقوب صاحب دیوبندی فرماتے تھے کہ نعل دار جوتا بھی لوہے ہی کا ہوتا ہے، مولانا یعقوب صاحب اسی نعل دار جوتے کا نام روشن دماغ رکھے تھے، کیسا ہی کسی کے دماغ میں رعونت بھری ہو نعل دار جوتے سے سب رعونت کافور ہوجاتی ہے، دماغ میں روشنی آتی ہے، خیالات صحیح ہوجاتے ہیں، غرض حکومت سے وہ امر معروف ہوسکتا ہے جو دوسروں سے نہیں ہوسکتا۔

**حکایت**:- ایک تعلقدار صاحب تھے وہ مولوی بھی تھے وعظ بھی کرتے تھے، ان کے وعظ میں ان کے سامنے اور سب لوگوں کے آگے وہ لوگ بیٹھتے تھے جن کے کام تعلقدار صاحب سے نکلنا ہوتے تھے، حالانکہ وہ وعظ کیا بلا ہے کچھ جانتے ہی نہیں تھے لیکن تعلقدار صاحب کے سامنے جمے رہتے تھے۔

**حکایت**:- ایک صاحب کہتے تھے کہ مردم شماری کے زمانہ میں انھوں نے ایک

صاحب سے کہا کہ آپ مردم شماری کے کام پر مقرر ہیں، بڑا ثواب ہوگا ایک کام کیجئے، وہ یہ کہ جب کسی مسلمان کے یہاں مردم شماری کو جائیں تو جہاں اور خانہ پری کرتے ہوں، یہ بھی پوچھ لیا کرو کہ نمازی ہو یا نہیں، انہوں نے ایسا ہی کیا، صرف یہ پوچھنے کا یہ اثر ہوا کہ ہزاروں آدمی نمازی ہو گئے، حالانکہ کاغذ میں اس کا کوئی خانہ، نہ تھا، اس سوال سے لوگ یہ سمجھے کہ حکام کو اس کی طرف توجہ ہوئی ہے، نماز نہ پڑھنے کا شائد کوئی برا نتیجہ نکلے، اس کا ایسا زبردست اثر ہوا کہ کسی کے وعظ سے نہیں ہوسکتا۔

**حکایت** :- ایک صاحب نے ایک عہدہ دار سے کہا کہ آپ کوشش کریں تو بہت سے لوگ نمازی ہو جائیں گے، انھوں نے کہا کہ میں کیا کوشش کرسکتا ہوں کیونکہ قانوناً اس میں مداخلت کا کوئی حق نہیں، انھوں نے کہا مداخلت نہ کیجئے، صرف اتنا کیجئے کہ ایک فرضی نوٹ بک میں بے نمازیوں کا نام لکھ لیا کیجئے، زبان سے کچھ نہ کہیئے، اس کا یہ اثر ہوا کہ ان کے حلقہ کے بہت سے لوگ نمازی ہو گئے، اسی واسطے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''یَزَعُ الْاِنْسَانِ اَکْثَرَ مِمَّا یَزَعُ الْقُرْآنَ''۔

حکومت وہ کام کرسکتی ہے جو قرآن کے وعظ نصیحت سے نہیں ہوسکتا، اس لئے اپنی اصلاح کرکے جو اپنی حکومت یا اپنی نگرانی میں ہیں ان کی بھی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ہم امر معروف اس طرح کرتے ہیں کہ دوسرے کو خواہ مخواہ ضد پیدا ہو اس لئے نصیحت عام پیرایہ میں ہونا چاہیے۔

جیسے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو برا کام کرتے ہوئے پاتے تو خطبہ میں فرماتے کیا حال ہے اس قوم کا جو ایسا کرتے ہیں، جو شخص اس گناہ میں مبتلا ہوتا

تھا اس سے رُک جاتا تھا مگر اس کیلئے ذرا غیرت کی ضرورت ہے یا خاص کسی کو کہنا ہو تو تنہائی میں کہیں یا اس طرح۔

**حکایت** :- مولانا شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرما رہے تھے، ختم وعظ پر آپ نے ایک شخص کو جس کا پائجامہ ٹخنہ سے نیچے تھا روک کر عجیب انداز سے نصیحت فرمائی، وہ یوں کہ اس سے تنہائی میں فرمائے کہ ذرا میرا پائجامہ دیکھو، مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ شائد ٹخنہ سے نیچا ہو، ایسے شخص کے ٹخنوں کو آگ، دوزخ کی لگے گی، وہ شخص قربان ہوا، اور کہا کہ آپ کا پائجامہ کیوں ہوگا، ایسا تو میرا ہے اور میں اس سے آج سے توبہ کرتا ہوں، پھر کبھی اس طرح نیچا کر کے نہ پہنوں گا۔

- جنتیوں کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ :-

"اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِاللّٰہِ ط" (پ ۱۱۔ رکوع ۱۴۔ سورۂ توبہ)

ہمیشہ نفس کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں، شریعت کے قانون سے بال برابر بھی کم زیادہ نہیں کرتے، پوری طور سے رعایت کرتے ہیں، اس پر اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ دین میں بڑی تنگی ہے، دیندار آدمی کو قدم قدم پر حرام کی فکر لگی رہتی ہے جو لوگ آزاد ہیں وہ بڑے مزہ میں ہیں، جو جی میں آیا کر لئے، اور دیندار شریعت کے حدود کے باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔

صاحبو! یہ بھی شیطانی وسوسہ ہے، آپ نے شریعت پر غور ہی نہیں کیا، ورنہ اس سے زیادہ آسان تو کوئی دین ہی نہیں۔ ایک مثال بیان کرتا ہوں سنئے :-

فرض کیجئے کہ ایک شخص بیمار ہوا، ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا، ڈاکٹر صاحب

نے نسخہ لکھا اور پرہیز بتلایا، اتفاق سے وہ مریض ایسی جگہ ہے کہ اس بستی میں نہ وہ دوا ملتی ہے اور بستی چھوٹی ہے، دواخانہ میں دوائیں نہیں، پرہیز کی اشیاء بھی نہیں ملتیں، بیمار کہتا ہے کہ ڈاکٹری میں یہ کیا تنگی ہے جو دوا بتلائی گئی ہے وہ بستی بھر میں نہیں ملتی۔ اور پرہیز یہ ہے کہ بیگن مت کھاؤ، آلو مت کھاؤ، بھینس کا گوشت نہ کھاؤ، تو لگا ڈاکٹر صاحب کو بُرا کہنے۔ اس کو عقلمند جواب دیں گے کہ ڈاکٹری میں تنگی نہیں ہے، تیرے گاؤں میں تنگی ہے، ڈاکٹری میں تنگی اس وقت ہوتی جب کہ ان چار چیزوں کی اجازت ہوتی اور باقی سب چیزیں ممنوع ہوتیں، حالانکہ ڈاکٹری میں (۲۰) چیزوں کی اجازت ہے اور (۴) چیز ممنوع ہیں، ڈاکٹری میں کب تنگی ہے تیرے گاؤں میں تنگی ہے، اپنے گاؤں کی اصلاح کر، اسی طرح دین میں اس وقت تنگی کہہ سکتے ہو جب کہ دوچار صورتیں جائز بتلا کر باقی سب حرام کردیتے بلکہ شریعت نے تو دوچار صورتیں حرام کرکے باقی سب حلال قرار دی ہیں، اور بدقسمتی سے ہم نے ان ہی صورتوں کو اختیار کیا جو حرام ہیں اگر ہم ان حرام صورتوں کو چھوڑ کر (۲۰) حلال صورتوں کو اختیار کریں جو شریعت نے جائز رکھی ہیں تو اس وقت معلوم ہوگا کہ شریعت میں تنگی نہیں ہے، غضب تو یہ ہو رہا ہے کہ ہم اپنے خواہشات کے موافق معاملات کرکے پھر شریعت کو مجبور کرتے ہیں کہ ہمارے ان معاملات کو جائز کہے، گویا شریعت ہماری ملازم ہے جو ہم حکم کریں وہ اس کو جائز کہے۔

**حکایت** :- اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک رئیس کو لغو بولنے کی عادت تھی اکثر بے تکی باتیں ہانکتے تھے، لوگ اس پر ہنسا کرتے، آخر انھوں نے ایک شخص کو نوکر رکھا

کہ ہم جو کچھ کہا کریں تم اس کی تاویل کر دیا کرو، چنانچہ ایک مجلس میں انھوں نے کہا کہ میں نے ہرن کا شکار کیا، اور ہرن کو جو گولی ماری تو وہ گولی سم کو توڑتے ہوئے پیشانی چیر کر نکل گئی، لوگ ہنسنے لگے کہ کہاں سم اور کہا پیشانی، نوکر نے کہا حضور بجا فرماتے ہیں، وہ ہرن اس وقت سم سے پیشانی سہلا رہا تھا۔

اسی طرح ہم بھی چاہتے ہیں کہ اس نوکر کی طرح شریعت بھی ہماری ہر بات کو جائز کر دے گویا شریعت ہماری باندی ہے۔

صاحبو! اگر ہم خود شریعت کے غلام بن جائیں، پھر دیکھئے شریعت میں کیسی آسانی ہے۔

صاحبو ! شریعت ایک قانون ہے، قانون مصلحت خاصّہ کی حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوتا، ہاں مصلحت عامّہ کے خلاف نہیں ہوتا ایسا ہی شریعت میں بھی مصلحتِ خاصہّ کا لحاظ نہیں ہے مصلحت عامہ کا خیال رکھا گیا ہے۔

اگر شریعت تنگ ہے تو بادشاہ کا قانون کیوں تنگ نہیں ہے ، شریعت پر عمل کرنے سے جیسے آزادی فوت ہوتی ہے ایسا ہی سلطنت کے قانون پر عمل کرنے سے بھی آزادی فوت ہوتی ہے تو سب سے بڑی آزادی یہ ہے کہ قانون پر عمل نہ کیا جائے ، ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیں اور اگر کوئی کہے کہ خلاف قانون ہے تو جواب دیدو کہ آزادی کے خلاف ہے، مگر کوئی عقلمند اس کو نہیں مانے گا۔

معلوم ہوا کہ جس بادشاہ کے ملک میں ہیں اس کے قانون پر عمل کرنا بھی ضروری ہے یا تو خدا کے ملک سے نکل جاؤ کوئی دوسرا ملک تلاش کرلو، اگر خدا کے

ملک میں رہتے ہو تو قانون شریعت پر عمل کرکے ''اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ ط''
ہوجاؤ تو پھر'' بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ'' کے مستحق بنو گے، جس میں یہ جنتیوں کی علامتیں
ہوں اس کو جنت کی خوشخبری ہو۔

صاحبو ! ایک اور بات سنئے :-

'' وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ط اِنَّا لَا نُضِیْعُ
اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ o '' (پ ۹۔ رکوع ۲۱۔ سورہ اعراف)۔

ترجمہ :- اور جو لوگ کتاب کے پابند ہیں، اور نماز کی پابندی کرتے ہیں ، ہم ایسے
لوگوں کا جو اپنی اصلاح کریں ثواب ضائع نہ کریں گے۔

آج مسلمان کس حالت میں ہیں، اس کا احساس خود ان کو بھی ہو رہا ہے اور
وہ خود سمجھ رہے ہیں کہ ہم دن بدن ذلیل ہوتے جارہے ہیں۔ اور اب کوشش بھی
شروع کردیئے ہیں کہ کسی طرح اس ذلت سے نکلیں۔ مگر وہ ایسی ہی کوشش ہے جیسے
مکھی کوشش کرتی ہے کہ جب وہ شھد میں گر جاتی ہے ۔ بہت ہاتھ پاؤں مارتی ہے
لیکن اور پھنستے ہی جاتی ہے۔ ایسا ہی ہم ذلت سے نکلنے کی تدبیریں کرر ہے ہیں۔ مگر ہم
اور ذلت میں گرتے ہی جارہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ذلت کا سبب ہی نہیں
سمجھے کہ ذلت کیوں آرہی ہے۔ یہ آیت بتلاتی ہے کہ ہم کو ذلت کیوں ہے، جس وجہ
سے ذلت ہورہی ہے اگر اس کو آج س چھوڑ دیں پھر دیکھئے عزت ہی عزت ہے۔

''وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ
ط'' (پ ۹۔ رکوع ۲۱۔ سورۂ اعراف)۔

ہم نے یہ اعلان کردیا ہے کہ جو قوم خدا کی کتاب کو چھوڑ دیتی ہے اور پیغمبر کی نافرمانی کرتی ہے ہم اس قوم کو اس کے دشمنوں کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں، وہ دشمن اس کو سخت تکلیف میں رکھتے ہیں، ہر طرح سے ذلیل کرتے ہیں، طرح طرح کے ٹیکس لگا کر مصیبت میں ڈالتے ہیں۔ دیکھو بنی اسرائیل کو کہ جب انھوں نے توریت شریف کو چھوڑا، پیغمبروں کی نافرمانی کرنے لگے تو کبھی ہم نے بابل نینوا کے بادشاہوں کے ان کو غلام بنادیا، کبھی شاہ مصر نے ان کو برباد کیا، پھر سکندر کے زمانہ سے آج تک یہودی تابعداد اور محکوم چلے آتے ہیں، وقتاً فوقتاً قہر الٰہی کا شعلہ بھڑکتا ہے، لوگوں کے ہاتھوں سے سخت ایذا پاتے ہیں اور ''قَطَّعْنٰهُمْ'' ہم نے ان کو پریشان اور منتشر کر کے مختلف جگہوں میں بسایا ''مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ'' (پ ۹۔ رکوع ۲۱۔ سورۂ اعراف) پھر بھی بعض ان میں کے نیک تھے اور بعض بد ''اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ج صلے وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥'' وہ جلد عذاب دینے والا ہے، آخرت کے سواء دنیا ہی میں عذاب دینے والا ہے اور توبہ کرنے والے پر رحم کرنے والا اور مغفرت کرنے والا ہے، یہی ہماری رحمت کا تقاضہ ہے کہ ''وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ'' تو کبھی ہم ان کو آزماتے ہیں، کثرت مال سے اور اہل وعیال اور صحت تندرستی دے کر اور کبھی فقر وفاقہ اور مصیبت میں ڈال کر ''لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ'' تا کہ وہ پلٹی کھائیں اور ہماری ہی طرف متوجہ ہوجائیں، جب کبھی وہ سنبھلے تو ہم نے ان کو سلطنت دی حکومت دی ہر طرح آرام سے رکھا جب وہ نافرمان ہوئے تو ہم نے ان کی سلطنت چھین لی، مصیبتوں میں ڈالا۔ غرض

یہی حال رہا ہے۔ ''فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ'' پھر تو ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ پہلے کے لوگ ان سے ہزار درجہ اچھے تھے ''وَرِثُوا الْكِتٰبَ'' ایسے ناپکاروں کے ہاتھ میں جب خدا کی کتاب آئی ''يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى'' دنیا کے مال و نام و عزت کو حاصل کرتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، سود کھاتے ہیں، ہر قسم کی بُری باتیں جاری کر دیئے ہیں۔

اعمال تو ایسے پھر اس پر ''وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا'' کہتے ہیں، خدا ہم کو معاف کرے گا، اس سے توبہ مقصود نہیں ہے ''وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ط'' (پ ۹۔ رکوع ۲۱۔ سورۂ اعراف) پھر بھی کوئی دے تو لینے کو موجود، حلال حرام کی کچھ پروا نہیں، جو چاہیں کریں۔

صاحبو! ایک اور مقام پر ارشاد باری ہو رہا ہے :-

''قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ'' صاحبو! اس وقت خدائے تعالیٰ آپ کو پکار رہا ہے ہائے یہ کیسی پکار ہے، غافلوں کو چونکانے، غائبوں کو بلانے، دنیا میں پھنسے ہوؤں کو چھیڑنے، انجان بنے ہوؤں کو اپنا پتہ دینے، کاروبار میں مشغول رہنے والوں کو آخرت کے کام میں لگانے، منھ موڑے ہوؤں کو اپنی طرف متوجہ کرنے، عاشقوں کے عشق کو بھڑکانے چاہنے والوں کے شوق کو بڑھانے، پکار رہے ہیں ''يٰاَيُّهَا النَّاس'' ارے وہ بیوفا انسان تجھ میں اور مجھ میں کیا قول وقرار ہوا تھا، میثاق کا وعدہ یاد ہے ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ، قَالُوْا بَلٰى'' کا واقعہ بھول گیا، تیرے کو اس صورت انسانی میں کون لایا، تیری غذا کیلئے ساری مخلوق کو کون تیرا خادم بنایا، کس کی قدرت سے تو چلتا

پھرتا انسان ہے کس کی حکمت سے تیری آنکھیں دیکھ رہی ہیں، کس کی کاریگری سے تیرے کان سن رہے ہیں، تجھے یہ عقل وسمجھ کس نے دی، ہائے سب کچھ لیا اور پھر بھول گیا، ہم سے علاقہ توڑ کر ہم سے دُور دُور رہنے لگا، تیرا برتاؤ بھی دیکھ اور میرا برتاؤ بھی دیکھ۔ جو تجھ سے ہو رہا ہے، گناہ پر گناہ تو کئے جاتا ہے، میں ستاری سے تیری پردہ پوشی کرتا رہتا ہوں، تو میری ناشکری کرتا ہے، میں تیری ناشکری پر مواخذہ نہیں کرتا۔ اونا قدرے انسان ! تو ہی انصاف کر، کب تک تو میری مخالفت کرتا رہے گا۔ اگر ماں باپ کا تو ایسا خلاف کرے تو ان کو صبر نہ آئے گا بھائیوں کے ساتھ اگر تیری یہ ان بن رہے تو وہ برداشت نہیں کریں گے، ہم سب کچھ دیکھ رہے ہیں، پھر بھی انجان بنے ہوئے ہیں، مگر تجھے شرم نہیں آتی کہ ہماری دی ہوئی چیزوں کو ہمارے ہی خلاف میں صرف کرتا ہے، تیری اندرونی حالت کو جیسے ہم جانتے ہیں اگر تیرے احباب جانتے تو کبھی تیرے پاس نہ پھٹکتے۔ باوجود تیری اس حالت کے پھر ہم تجھ سے ملتے رہنے کا (یعنی نماز پڑھنے کا) حکم دے رہے ہیں، کبھی تو نے کھیت کرنے والوں کو دیکھا ہے کہ کس طرح ہل چلا کر زمین صاف کرتے ہیں، پتھر دیکھا اٹھایا اور پھینک دیا، گھاس، ہریالی ذراسی بھی کہیں نظر آئی اس کو کھود کر صاف کر دیا، پانی پہونچانے کا انتظام کرتا ہے، اس محنت کے بعد جو بیج ڈالتا ہے تو وہ خوب پھلتا اور پھولتا ہے۔ کیا تیرا دل کھیت سے بھی گیا گذرا ہے۔ او بے سمجھ انسان ! دیکھا تم نے دل کی کیا حالت بنائی ہے دل بنجر زمین بن گیا ہے، بُرے اخلاق دل میں کانٹوں کے درخت بن کر اُگے ہوئے ہیں دنیا کی محبت نے دل کو قابل زراعت نہیں

رکھا ہے، ابھی کھیت بونے کا وقت ہے۔ اٹھ! عبادت کر کے زمین کو پاک و صاف کر کے آنسوؤں سے دل کے کھیت کو پانی دے کر پھر خدا کی محبت کا بیج بو، پھر دیکھ کیسے پھل پھول لاتا ہے، آنکھ ہے کہ خدا کی مرضی کے خلاف نہیں دیکھے گی، ہاتھ بھی خدا کے تابع رہیں گے، زبان فضول کلامی سے رُکے رہے گی، قدم خدا ہی کی طلب میں اٹھیں گے، جس دن گنہگاروں کو پکار ہوگی :-

"وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ o"

ترجمہ :- اور اے مجرمو! آج الگ ہوجاؤ۔ (پ ۲۳۔ رکوع ۴۔ سورہ یٰسٓ)

اس دن مبارک ہو تم کو یہ ندا ہوگی :-

"يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ o ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً o"

(پ ۳۰۔ رکوع ۱۔ سورۃ الفجر)۔

ترجمہ :- اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل، اس طرح سے کہ تو اُس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش پھر تو میرے بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔

اے غافل انسان! اگر ایسا نہیں ہوا ہے تو افسوس ہے تجھ پر، تیرے پاس ہے ہی کیا! یا دل ہے یا وقت، دل بگاڑ چکا، وقت کھو چکا، اب آنے والی منزلوں میں ان ہی دو کے بارے میں تجھ سے سوال ہوگا، قلب سلیم تُو کہاں سے لاوے گا، تیرا وقت کس کام میں گذرا؟ کیا بتائے گا اگر تو کسی چیز کے ضائع ہونے پر روتا ہے تو اس بات پر رولے کہ تو نے کچھ بھی خدا سے تعلق پیدا نہیں کیا: ؎

سال بیگاہ گشت وقت گشتنی

جز سیاہ روئی و فعل زشتنی

ترجمہ:- زمانہ گذرنے کے وقت جو گذر رہا ہے اس سے تو نے کیا حاصل کیا سوائے مُنہ کالا ہونے کے اور بُرے افعال کے۔

ہیں وہیں! اے راہ رو بیگاہ شُد

آفتاب عمر سوی چاہ شُد

ترجمہ:- خبردار! اے دنیا میں زندگی گذارنے والے تیری عمر کا آفتاب کنویں میں ڈبنے کے قریب ہے۔

ایں قدر تخمے کہ ماند شست بکار

تا بروید زیں دو دم عمر دراز

ترجمہ:- یہ جو تیری زندگی میں بیج بو رہا ہے اعمال کا (نیکی ہو یا بدی) ہمیشہ یہی بیج اگتا رہیگا اور اسی کا پھل تجھے ملتا رہیگا۔

**حدیث** :- حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ فاصلہ نہ تھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے معاذ! اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے، میں نے عرض کیا، اللہ کو اور اس کے رسول کو معلوم ہے، حضرت فرمائے، اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ خدا کی عبادت کریں، اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں۔

بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ ایسی عبادت کرنے والوں کو عذاب نہ کرے۔ او بے سمجھ انسان تو اور کیا چاہتا ہے خدا کا حق دے اور اپنا حق لے۔

سنو سنو یا خدائے تعالیٰ اس لئے پکار رہا ہے ''قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ'' او بھولے ہوئے انسان، تو بھولے سے ہماری عبادت میں کوتاہی کیا ہوگا، خیر جو ہوا سو ہوا: ؎

پھیر لو بھولا ہوا جب نہ سہی اب سہی
وقت کی کر لو قضا جب نہ سہی اب سہی

صاحبو ! عبادت اولیاؤں کا سرمایہ ہے، متقیوں کا لباس ہے سعادت ہے تو عبادت میں ہے، عزت ہے تو عبادت میں ہے، جب آدم علیہ السلام جنت سے دنیا میں آرہے تھے حکم ہوا آدم ! جاؤ ہم نے دنیا کو عبادت کا مقام بنایا ہے، دنیا میں عبادت کیا کرو دنیا میں عبادت کرتا ہے وہ آخرت میں فرشتہ سے بڑھ جاتا ہے، غرض عبادت ایسی ضروری چیز ہے کہ جن اور انسان کے پیدا ہونے کی غرض عبادت کرنا ہے، عبادت کے سواء کوئی مقصود ہے ہی نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ عبادت کیا چیز ہے شیطان دھوکہ دے کر عبادت سے روکنا چاہتا ہے، دو چار اللہ کے بندوں کو دکھاتا ہے جو تسبیح لئے ہو مسجد میں ہیں، رات دن مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں، ان کو دکھا کر شیطان کہتا ہے کہ عبادت اس کو کہتے ہیں بھلا تو عبادت کر سکتا ہے، تیرے پیچھے بیوی، بچے، نوکری، بیوپار، کھیتی لگی ہوئی ہے تو کیسے عبادت کر سکتا ہے، یہ شیطان کا زبردست دھوکہ ہے، یہ سچ ہے کہ انسان کو خدائے تعالیٰ فراغت دے اور پھر وہ ذکر میں نہ رہے تو اس سے زیادہ کوئی بدنصیب نہیں اسی واسطے۔

**حدیث** :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے ''اِنَّ اَبْغَضَ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ الصَّحِیْحُ الْفَارِغُ'' خدائے تعالیٰ کو سب سے بُرا زیادہ وہ شخص معلوم ہوتا ہے کہ تندرست ہوا اور فراغت ہو، پھر وہ دنیا کا کام کرے نہ دین کا۔ کیونکہ فراغت ہو اور کچھ کام نہ کرے تو خیالاتِ فاسدہ پیدا ہوتے ہیں، دنیا کا کام روزی پیدا کرنا ہے، شطرنج کھیلنا، گنجفہ کھیلنا نہیں ہے، ورنہ کوئی کہے گا ہم بیکار نہیں رہتے ہیں گنجفہ کھیلتے رہتے ہیں۔ ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ''۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ روزی کمائے یا ذکر الٰہی کرے۔ غرض عبادت یہ نہیں ہے بلکہ عبادت کے معنی ہیں غلام ہونا، اسی سے عَبْــد ہے جس کے معنی غلام کے ہیں اب تک جو آپ کو کہا گیا کہ عبادت کرو، اس کے معنی یہ ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے غلام بنو، غلام بننے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔

**حکایت** :- ایک بزرگ سے ایک شخص نے کہا کہ میں آپ سے بیعت کرتا ہوں، مجھے مرید کیجئے، ان بزرگ نے کہا کہ اچھا استخارہ کرکے آؤ۔ وہ شخص وہاں سے ہٹ کر واپس آیا اور عرض کیا کہ میں نے استخارہ کرلیا، ان بزرگ نے کہا کہ یہ ایسا کیسا استخارہ کہ اس قدر جلد واپس آئے۔ اس نے کہا حضرت میرا استخارہ سن لیجئے میں نے الگ بیٹھ کر نفس سے پوچھا بیعت کے معنی ہیں بکنے کے، تو بکنے سے غلام ہوجائیگا غلام ہونے کے بعد اگر پیرومرشد فرمائیں جاگو، جاگنا پڑے گا، اگر کہیں بھوکے رہو، بھوکا رہنا پڑے گا۔ تو کیوں بے وقوف ہوا ہے، اچھی خاصی آزادی کو چھوڑ کر، دوسرے کے قبضہ میں اپنے کو دے دیتا ہے، نفس نے یہ جواب دیا کہ یہ سب کچھ سچ ہے، مگر خدا

تو مل جائے گا، میں نے کہا کیا خدا تمہارا قرضدار ہے نہ ملے تو، نفس نے جواب دیا: ۔

ملنے کا اور نہ ملنے کا مختار آپ ہے پر تجھ کو چاہئے کہ تگ و دو لگی رہے

خدا نہ ملے اس کو اختیار ہے مگر خدا کو یہ تو خبر ہو جائے گی کہ یہ کمبخت بھی ہمارا طالب ہے بس اتنا ہی کافی ہے ۔

ہمینم بس کہ داند ماہرویم کہ من نیز از خریداران اویم

ہمینم بس اگر کاسر قماشم کہ من نیز از خریدارانش باشم

ترجمہ:- (میرے لئے اتنا ہی بس ہے کہ میرا معشوق جان لے کہ میں بھی اس کے طلبگاروں میں سے ہوں)۔

ان بزرگ نے کہا بھائی تیرا استخارہ عجیب ہے اور بیعت کر لئے۔ صاحبو! یہ تو بیعت ہے، غلامی اس سے زیادہ دشوار ہے، چاہتے یہ ہیں کہ آپ خدا کے غلام بنو، غلام بننے میں تکلیف معلوم ہوتی ہے تو پھر بھی آپ کو غلام بننا پڑے گا، کیوں صاحبو! کیا تم کڑوی دوا نہیں پیتے، تمباکو نہیں کھاتے، جس سے اول اول چکر آتے ہیں مگر عادت کے بعد اس کے بغیر چین نہیں آتا تو یہی سمجھ کر تم ذرا غلامی کی عادت کر لو، واللہ یہ غلامی خود آپ کو چمٹ جائے گی، معشوق اگر منہ نہ لگائے تو کیا اس کی سختی برداشت نہیں کرتے، دنیا کا معشوق آسانی سے نہیں ملتا، کیا خدا آپ کو آسانی سے مل جائے گا، دنیا کے کاموں میں کیسے کیسے سختیاں جھیلتے ہو۔ کیا خدا کی غلامی میں سختی سے بچنا چاہتے ہو۔

صاحبو ! یہ تو میں ہمارے اعتبار سے کہہ رہا ہوں، عاشقوں سے پوچھو کہ

اس غلامی سے نکالنا چاہے تو روئے گا، چلائے گا کہ میاں جو چاہے سزا دو، مگر اپنی غلامی سے مت نکالو۔

اسیرش نخواہد رہائی زبند      مکارش نجوید خلاص از کمند

اس تکلیف میں بھی عاشقوں کو لذت ملتی ہے جیسے کسی کا معشوق دبوچے، ہڈی پسلی گولا ہو رہی ہے مگر جو لذت مل رہی ہے اس کو عاشق کے دل سے ہی پوچھو، اگر معشوقہ کہے کہ اگر تم کو تکلیف ہو رہی ہو تو تم کو چھوڑ کر دوسرے کو دباؤں تو وہ کہے گا

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

مر بھی جاؤں تو بلا سے مگر مجھ ہی کو دبوچو، جیسے تمبا کو والوں کو تمبا کو کی تلخی لذیذ معلوم ہوتی ہے، ایسا ہی عاشقوں کو غلامی کی تلخی میں مزہ آتا ہے، کیوں صاحبو! مرچ کی تیزی کیسی لذیذ معلوم ہوتی ہے، مرچ کھاتے بھی جاتے ہیں، روتے بھی جاتے ہیں، اور پھر کھاتے جاتے ہیں، غلامی میں اگر تکلیف بھی ہو تو اس میں بھی مزہ ہے، اگر مزہ نہ ہو، تب بھی آپ کو صبر سے کام لینا چاہیے۔

صاحبو! غلامی کیا ہے، دیکھو غلام کیا کرتا ہے، ایسا ہی خدا کے ساتھ معاملہ رکھو، غلام اپنے مالک پر پورا بھروسہ رکھتا ہے، مالک کو اپنا حمایتی سمجھتا ہے، اس کے نزدیک مالک اس کا سب سے زیادہ حمایتی ہوتا ہے، مالک پر اس کو ایسا بھروسہ ہوتا ہے کہ کیسا ہی قحط ہو، مالک کو فکر ہوتی ہے، غلام کو کچھ فکر نہیں ہوتی، غلام کہتا ہے میرا مالک موجود ہے مجھ کو کیا فکر ہے، مالک کی غلام کے دل میں عظمت ایسی ہوتی ہے کہ

مالک کے احکام کی وجہ دریافت نہیں کرتا، فوراً تعمیل کرتا ہے۔ صاحبو ! خدا کے بھی ایسے ہی غلام بنو۔

**حکایت** :- ایک شخص ایک غلام خرید کئے اور پوچھے تمہارا نام کیا ہے؟ اس غلام نے کہا خیراب تک جو کچھ تھا اب آپ جو پکاریں، کہا کیا کھائیں گے؟ غلام نے کہا جو آپ کھلائیں، انھوں نے کہا کیا پہنیں گے؟ کہا جو آپ پہنائیں۔

صاحبو ! غلام کو کچھ اختیار نہیں ہوتا، غلام کا کوئی کام مقرر نہیں، مالک جس کام کیلئے کہے وہ کرنا ضروری ہے، ایک وقت زرق برق کپڑے پہن کر مالک کا خلیفہ بن کر نیابت ادا کر رہا ہے۔ دوسرے وقت دیکھو تو مالک کے نجس کپڑے دھو رہا ہے، کبھی میاں کا مہتر بنا ہوا پاٗخانہ صاف کر رہا ہے، کبھی میاں کی طرف سے حاکم بنا ہوا حکومت کر رہا ہے۔ غرض غلام نوکر بھی ہے، مہتر بھی ہے، خدمت گار بھی، میاں کا نائب بھی ہے، غرض جو میاں حکم دیں وہ کرنے تیار ہے۔

صاحبو ! آپ خدا کے غلام ہیں، آپ کی کوئی خدمت فرشتوں کی طرح مقرر نہیں، جو خدائے تعالیٰ حکم دیں وہ کرنا آپ کا کام ہے، کبھی بیوی بچوں کی خبرگیری کر رہے ہیں یہ بھی اسی کا حکم ہے، کبھی خدا کی یاد میں بیٹھے ہوئے ہیں، اس سے راز و نیاز کر رہے ہیں کبھی پاٗخانہ میں ہیں تو کبھی مسجد میں، ایک وقت نیکوں کی صحبت میں بیٹھے ہوئے فیض لے رہے ہیں تو ایک وقت بازار میں خرید و فروخت کر رہیں، کبھی میاں کے سامنے زیادہ ہیں تو کبھی کم، بعض وقت کم از کم (۵) وقت میاں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر عرض کر رہے ہیں ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' میاں

صراط غلامی پر رکھو، جو چاہو کرو، مگر اپنی غلامی سے مت نکالو، معاش کی فکروں میں پھرتا ہوں تو میاں متبسم سمجھنا کہ آپ کو بھولا ہوا ہوں، آپ ہی کا ہوں، آپ ہی کی طرف دوڑے دوڑے آتا ہوں، کبھی نوکری کررہا ہے اور کبھی کھیتی، سب غلامی ہے، سب کچھ کریں، مگر کریں خدا کی مرضی کے موافق: ؎

زندگی ان کی بندگی ہوجائے
بندگی ان کی زندگی ہوجائے

آج روز جمعہ رمضان المبارک کی ۲۵ ر تاریخ اور ۱۳۸۲ھ (تیراسو بیاسی ہجری) ہے، میں اس فضائل نماز کو ترتیب دے چکا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھ کو اور عام مسلمانوں کو اس کے نصائح پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

عَاجِزْ

سید رحمت اللہ نقشبندی وقادری (ایم۔اے)
ابن حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب نقشبندی وقادری رحمۃ اللہ علیہ

# • حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ کے نصائح

جامیا واقفِ دَم باش عزیزاں رفتند
فکرِ عقبیٰ بکن آخر کہ تو ہم مہمانی
کم خورد کم حسپ و کم گو ہم بجہلا کم نشیں
دائما در ذکر باش وخویش را ہیں بدتریں
باعاشقاں نشیں وغمِ عاشقی گزیں
باہر کہ نیست عاشق کم کن از و قریں
از طفیلِ خواجگانِ نقشبند
کارِ دنیا عاقبت محمود باد

حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ اپنے آپ سے مخاطب ہیں۔ فرماتے ہیں: اے جامی اپنی سانسوں کی حفاظت کیا کرو کیونکہ تمہارے عزیز چہیتے دنیا چھوڑ کر جا چکے ہیں اور فکر عقبیٰ کرو کیونکہ تم بھی تو آخر مہمان ہو۔ تمہیں بھی جانا ہے۔ کم کھاؤ کم سوؤ اور کم بولو اور جاہلوں کے ساتھ کم بیٹھا کرو اور اپنے کو ہمیشہ ذکر خدا میں مشغول رکھو اور اپنے کو ہمیشہ سب سے بُرا سمجھو اور خدا اور رسول کے عاشقوں اور چاہنے والوں کے ساتھ بیٹھو۔ اپنے دل میں غم عاشقی پیدا کرو اور جو عاشق نہیں یعنی عشق خداوندی سے محروم ہے اس کے قریب بھی مت جاؤ۔

اے میرے اللہ خواجگان نقشبند کے طفیل میرے دنیا کے کام اور میری عاقبت اچھی کر دے۔ آمین

••••☆☆☆••••

# Talib E Dua

محمد عامر علی قادری

ابن

محمد عضمت الدین قادری صاحب